بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

I Dared to Call Him Father

Bilquis Sheikh

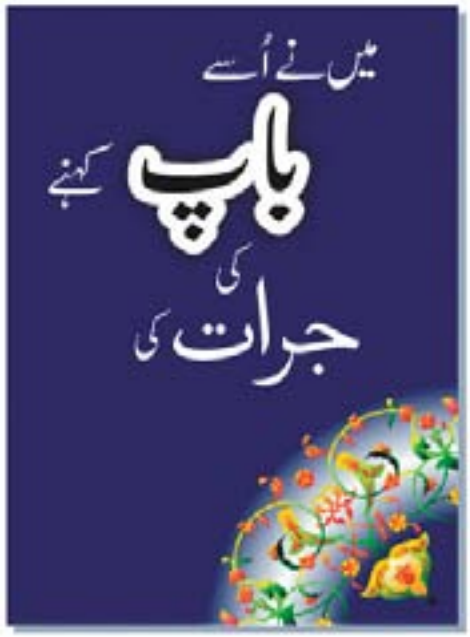

بلقیس شیخ

مترجمین دوشاگرد

۱۹۸۱

قرآنی آیات کو بہتر طور پر دیکھنے کے لئے آپ کو عربیک ٹریڈیشنل فونٹ کو ڈاؤن لوڈ کرنا ضروری ہوگا۔

میں نے اُسے باپ کہنے کی جرات کی

Urdu
Nov. 25, 2007

www.muhammadanism.org
www.noor-ul-huda.com

فہرست

نمبرشمار	باب
۱	پہلا باب۔ ایک خوفناک حضوری
۲	دوسرا باب۔ عجیب کتاب
۳	تیسرا باب ۔ سپنے
۴	چوتھا باب۔ مقابلہ
۵	پانچواں باب۔ چورا ہے
۶	چھٹا باب۔ اُس کی قربت میں رہنے کا سبق
۷	ساتواں باب۔ پانی اورآگ سے بپتسمہ
۸	آٹھواں باب۔ کیا میں محفوظ تھی؟
۹	نواں باب ۔ قطعی تعلقی
۱۰	دسواں باب۔ اُس کی حضوری میں جینے کا سبق
۱۱	گیارھواں باب۔ بدلتے رُخ
۱۲	بارھواں باب۔ بولنے کا وقت
۱۳	تیراھواں باب۔ دھمکیوں کا طوفان
۱۴	چودھواں باب۔ نئی منزل

دیباچہ

خدائے ذوالجلال ،ازلی، ابدی اورلامحدود ہیں، اُن کی صفاتِ کاملہ بھی ازلی، ابدی اورلامحدود ہیں۔ کائنات کی ہرشئے تغیرپذیر ہے۔ مگراس کائنات کا خالق آج اورکل اورابد تک یکساں ہے۔

خدائے قادرمطلق اپنی شفقت اوربے بیان فضل کو گوناگوں اندازمیں اپنی اشرف المخلوقات مخلوق پرآشکارا کرتا ہے۔

معززمسلمان گھرانے کی خاتون" بیگم بلقیس شیخ" کی سرگذشت رب جلیل کے حیران کن اورحیات افزاء کرشموں کی منہ بولتی تصویر ہے۔

اپنی ابتدائی صورت میں یہ کتاب انگریزی زبان میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا ترجمہ، عربی ، ترکی اورجرمن زبان میں شائع ہوچکا ہے۔ کئی ممالک میں اس کی مقبولیت اورافادیت کے پیش نظراسے اردوزبان کی زینت بنانے کی ایک ناچیزکوشش کی گئی ہے۔

بڑھتی ہوئی بے قراری کے اس دور میں یقیناً یہ سچی داستان کئی خزاں رسیدہ زندگیوں میں بہار کی آمد کا پیغام دے گی۔

ہر عابد کی یہ اُمنگ ہے کہ خدائے برحق کی قربت سے آشنا ہو۔ اور ہمارا اعتقاد ہے کہ خدائے محبت کی لازوال الفت کا یہ شخصی تجربہ بہتوں کے لئے ابدی زندگی کے بھید کو پانے میں معاون ہوگا۔

ہم اُن حضرات کے شکرگزار ہیں جنھوں نے اس کارِ عظیم کی تکمیل میں دلچسپی لی۔ ہماری دعا ہے کہ باری تعالیٰ اُنہیں جزاء عطا فرمائے۔

مترجمین

دوشاگرد

پہلا باب

"ایک خوفناک حضوری"

میں اپنے باغیچے میں چل قدمی کررہی تھی کہ میرے دل میں اجنبی سی چبھن محسوس ہوئی۔ سورج طلوع ہورہا تھا۔ نرگس کے پھولوں کی خوشبو سے ہوا معطر تھی۔ میں حیران تھی کہ یہ کون سی شئے ہے جس سے میں اس قدر بے قرار ہوگئی ہوں۔

میں نے رک کرچاروں طرف نگاہ دوڑائی ۔ میرے گھر کے اندر سبزہ زار صحن سے کچھ فاصلے پر نوکر کھانے والے کمرے میں صفائی میں مصروف تھے۔ باہر ہر شئے پرسکوت طاری تھا۔ اپنی خواب گاہ میں سجانے کے لئے میں جونہی ایک لمبی شاخ پرشگوفے کاٹنے کے لئے جھکی، کوئی شئے تیزی سے میرے سر کے پاس سے گذری ۔ میں چونک اٹھی یہ کیا تھا؟ ایک دھندسابادل ایک نمدارسی ناپاک حضوری تھی جوپرواز کرتی ہوئی میرے پاس سے گذرگئی باغیچہ اچانک پہلے سے زیادہ تاریک دکھائی دینے لگا۔ بید کے نوحہ کناں درختوں میں سے ایک خنک ہوا اٹھی اورمیں کانپ گئی۔

میں نے خود کوڈانٹتے ہوئے کہا؛بلقیس ہوش سنبھالو۔ میرے تصورات مجھے دھوکہ دے رہے تھے۔ بہرصورت میں نے پھول اکٹھے کئے اورجلدی سے کمرے کی طرف بڑھی۔ جہاں دریچوں سے پھوٹتی ہوئی روشنی میرا خیرمقدم کررہی تھی۔ مکان کے سفید پتھروں کی مضبوط دیواراوردیوارکی لکڑی کے دروازے میرے محافظ تھے۔

چلتے ہوئے میں پیچھے پلٹ پلٹ کردیکھتی جاتی تھی۔ میں ہمیشہ مافوق الفطرت گفتگو کا مذاق اڑایا کرتی تھی۔ کیا واقعی کسی شئے کا وجود نہیں تھا۔ اس کے جواب میں ،میں نے اپنے دائیں ہاتھ پر بڑی صفائی سے غیرطبعی سی تھپکی محسوس کی۔

میں چلا اٹھی؛مکان کے اندرداخل ہوتے ہی میں نے اپنے پیچھے زورسے دروازہ بند کردیا۔ نوکرکوئی بات کئے بغیرمیری طرف دوڑے کیونکہ میں بذاتِ خودایک بھوت لگتی ہوں گی۔ سونے سے پہلے بلاآخر میں نے اپنے دونوں خادماؤں سے اس واقعہ کا تذکرہ نے کی جرات کی۔ میں نےاپنی داستان ختم کرتے ہوئے پوچھا کیاآپ بھوت پریت کی قائل ہیں۔ نورجہاں اوریشم دونوں جن میں سے ایک مسلمان اوردوسری مسیحی تھی جواب دینے سے گریزکیا۔مگرنورجہاں جس کے ہاتھ خوف سے کانپ رہے تھے ، کہنے لگی کہ کیا میں گاؤں کے امام کے بلاؤں تاکہ وہ باغیچہ میں کچھ پوتر پانی چھڑکے ۔لیکن میں ہوش وحواس میں تھی اورجاہل لوگوں کی قدامت پرستی سے باغی تھی۔ علاوہ ازیں میں اس کی خبرگاؤں میں پھیلانا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے اس کی ہمدردی پرمسکرانے کی کوشش کی اورکسی قدرے باکی سے کہنے لگی" میں نہیں چاہتی کہ کوئی مذہبی آدمی میرے گھرمیں قدم رکھے اورآسیب کودورکرنے کا ڈھونگ رچائے"۔ تاہم خادمہ کے جانے کے بعد میں نے قرآن مجید اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اورتھوڑی دیرتلاوت کرتی رہی اورپھر اسے نیلے ریشمی غلاف میں لپیٹ کر رکھ دیا اورسوگئی۔

اگلی صبح میں اپنے بستر سے یوں بیدار ہورہی تھی۔ جیسے کوئی تیراک پانی کی سطح پرآنے کی جدوجہد کررہاہو۔ میرے شعورمیں ایک مدھم سا سُرگھول رہا تھا۔ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ میرے دریچوں کے سنہرے نقش ونگارمیں سے اذان کے الفاظ مجھ تک پہنچ رہے تھے۔ اللہ کے سوا کوئی

معبود نہیں اورمحمد اللہ کے رسول ہیں۔ مسلمانوں کونماز کے لئے دعوت دینے والی یہ آ وازگزشتہ رات کے بعد بڑی باموقع معلوم ہوئی تھی۔ یہ ایک ایسی پکارتھی جسے میں گذشتہ چالیس برس سے تقریباً سنتی آئی تھی۔ میں نے اس صبح کی پکارکے معنی کا تصورکیا۔

چند لمحے پیشتر واہ کے قریب پاکستان کے ایک چھوٹے گاؤں میں ایک امام مسلمانوں کونماز کےلئے بلارہا تھا۔ اس کےالفاظ تھے"نماز کے لئے آؤ" فلاح کے لئے آؤ۔ نماز نیند سے بہترہے۔ سورج طلوع ہونے کے ساتھ ساتھ یہ آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اذان کی اس قدیم آواز کے ساتھ ہی گزشتہ شام کا واقعہ تازہ ہوگیا۔ معمول کے مطابق میں روزہ مرہ کے کاموں میں مصروف ہوگئی ۔ مصروف رہنے سے ایک طرح کا دلاسہ ملتا تھا۔ اٹھتے ہی میں نے خادمہ کوبلانے کے لئے گھنٹی بجائی اوراس کی آوازسنتے ہی نورجہاں جومیرے اٹھنے کا انتظار کررہی تھی بھاگتی ہوئی اندرآئی۔ دونوں خادماؤں کا کمرہ میرے کمرے سے متصل تھا۔ اوریقیناًوہ میرے جاگنے سے ایک گھنٹہ پہلے جاگ چکی ہوں گی۔ اورمیری طرف سے گھنٹی کی آوازسننے کی منتظر ہوں گی۔ بستر میں صبح کی چائے لازم تھی۔ نورجہاں نے میرے سنگھارکی چیزیں سجانا شروع کردیں۔ وہ ایک نوعمر نوجوان لڑکی تھی۔ جوبڑی فرمانبردارتھی۔ مگرقدرے سست تھی۔ جب اُس کے ہاتھ سے برش گرا تو میں نے اُسے ڈانٹ دیا۔ ریشم میری دوسری خادمہ تھی۔ یہ عمر میں ذرا بڑی ،خاموش طبیعت درازقدراورپُروقارخاتون تھی۔ وہ چائے کی بڑی ٹرے ہاتھ میں لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ اورٹرے کولاکر میز پر رکھ دیا۔ چائے سے کپڑا اٹھاکر اُس نے کپ میں مجھے گرما گرم چائے دی۔ میں نے کہا یقیناً میری ماں میرے اس خیال سے دل برداشتہ ہوتی میں نے کئی بارا سے مکہ کی طرف منہ کرکے دعا کرتے دیکھا تھا۔ اپنی ماں کے خیال کے ساتھ ہی میں نےاپنے سنگھار میز کی طرف نگاہ کی جوصدیوں پرانا تھا اورصندل کی لکڑی کا بنا ہوا اورچاندی سے منڈھا ہوا تھا۔ یہ میری ماں کو اُن کی ماں نے ورثہ میں دیا تھا۔ اب ورثہ میں یہ میری ملکیت تھا۔ دوکپ چائے پینے کے بعد میں آگے کی طرف جھکی۔ جس

کا مطلب یہ تھا کہ ریشم میرے درازبالوں میں کنگھی کرے اوراس کے ساتھ ہی نورجہاں میرے ناخن تراشنے لگی۔

کام کے ساتھ ساتھ وہ بے تکلفانہ اندازمیں گاؤں کی خبروں پر تبادلہ خیال کرنے لگیں۔ نورجہاں بات کا آغازکرتی اورریشم اُس پر تفکرانہ اندازمیں اپنے خیالات کا اظہارکرتی۔ وہ ایک لڑکے کے بارے میں گفتگو کررہی تھیں جوگاؤں چھوڑکر شہرجارہا تھا۔ اورایک لڑکی کے بارے میں جس کا جلد بیاہ ہونے والا تھا۔ اورپھرایک اورقتل سے متعلق بات کرنے لگیں، جونزدیک کے قصبہ میں وقوع پذیر ہوا۔اورجہاں ریشم کی آنٹی رہتی تھی۔ میں نے محسوس کیاکہ اس خبر کے ساتھ ہی ریشم کا نپ اٹھی۔ کیونکہ مقتولہ ایک مسیحی تھی۔ وہ ایک جوان لڑکی تھی جوایک مسیحی مشنری کے گھرمیں مقیم تھی۔

گاؤں کے ایک تنگ چوراہے پر کوئی اس کے بدن کورونداتاہوا نکل گیا تھا۔ پولیس تفتیش کررہی تھی۔ میں نے اتفاقاً پوچھا کیا لڑکی کے بارے میں کوئی خبر ملی؟ ریشم نے خاموش لہجہ میں جواب دیا نہیں بیگم صاحبہ اوراس کے ساتھ ہی اُس نے میرے بالوں کا جوڑا بنانا شروع کیا۔ میں سمجھتی تھی کہ ریشم جوبذات خودایک مسیحی تھی قتل کے بارے میں بات کیوں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میری طرح وہ بھی جانتی تھی کہ اس لڑکی کوکس نے قتل کیا ہے؟ بہر صورت لڑکی نے اسلام چھوڑکر مسیحیت کوقبول کرلیا تھا۔ شرم کا یہ دھبہ جوخاندان پر لگ چکا تھا اس وجہ سے بھائی طیش میں آگیا تھا اور اسلامی قانون کی پیروی کی۔ یعنی جواسلام سے پھرجائے (مرتد ہوجائے) تواس کی سزا موت ہے۔ اگرچہ اسلام کا یہ فتویٰ سخت ہے۔

مگرہمیشہ ایسے جوشیلے لوگ ہوتے رہتے ہیں ۔ جو انتہائی طورپر لفظی معنوں کوعمل میں لاتے ہیں۔ہرکوئی جانتاتھاکہ لڑکی کوکس نے قتل کیا ہے۔ مگر کوئی اقدام نہیں ہوگا۔ ہمیشہ یوں ہی ہوتا رہاہے۔ ایک برس ہواکہ ایک مسیحی جوایک مشنری کا ملازم تھا ایک گڑھے میں مردہ حالت میں پایا گیا تھا۔ اس کا گلا کاٹ دیا گیا تھا۔ اوراس پر کوئی کارروائی ہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس افسوسناک داستان کواپنے ذہن سے نکال دیا اوراٹھنے کیلئے تیارہوگئی۔ میری ملازمہ الماری میں سے چند ایک ریشمی ساڑھیاں میرے چناؤ کے

لئے نکال لا ئی۔ میں نے ایک سلمیٰ ستارہ والی ساڑھی کی طرف اشارہ کیا جومجھے پہنادی گئی۔ وہ بڑےاحترام سے میرے کمرے سے چلی گئیں۔

سورج کرکرنیں میری خواب گاہ میں میں اپنی رنگینیاں دکھارہی تھیں۔ میرے سنگھار میز پر پڑی ہوئی ایک سنہری فریم کی تصویر سے سورج کی روشنی منعکس ہورہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس تصویر کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ میں غصہ میں تھی۔ کیونکہ میں نے گذشتہ روزاس تصویر کواٹھا کر میز پررکھا تھا۔ ملازموں میں سے کسی نے اس کوسجا کر رکھ دیا ہوگا۔ اس کھدے ہوئے فریم میں ایک سلجھے ہوئے جوڑے کی تصویر تھی، جولندن کے ایک شاندارہوٹل کے کونے کی میز پر لی گئی تھی۔ اپنی مرضی کے خلاف میں نے تصویر پر دوبارہ نگاہ کی۔ میری حالت ایک ایسے شخص کی سی تھی جوایک دکھ دینے والی حقیقت کو دبارہا ہو۔ سیاہ مونچھوں اورشعلوں کی سی جلتی ہوئی آنکھوں والا یہ جوان میرا خاوند جنرل شیخ تھا جو میں نےاپنے پاس اس تصویر کوکیوں رکھا تھا۔نفرت کی ایک لہر میرے اندر کودگئی۔ ایک وقت جب میں یہ محسوس کرتی تھی اُس کے بغیر جینا مشکل ہے چھ سال پیشتر جب تکصویر لی گئی تھی تواُس وقت خالد پاکستان کا وزیرداخلہ تھا اُس کے ساتھ بیٹھی ہوئی حسین خاتون بذات خود تھی۔ میں ایک قدامت پسند مسلمان خاندان کی بیٹی تھی۔

میرے خاندان کے لوگ گذشتہ سات سوبرس سے صوبہ سرحد کی سردآب وہوا میں مقیم تھے جوکسی وقت شمالی مغربی ہندوستان کہلاتا تھا۔ میں دنیا بھر کے سیاسی اورصنعتی لوگوں کی مہمان نوازی کرتی رہی تھی۔لندن اورپیرس میں قیام کے دوران ہیروڈس (Harrods) اورروڈی لاپیکس (Rue De La Pix) میں خریداری میرامعمول تھا۔ آئینہ میں دیکھتے ہوئے میں نے تصورکیاکہ تصویر میں مسکرانے والی خاتون کا وجود اب نہیں ہے۔ اب اس کے بدن پر بڑھاپے کے آثارنمایاں ہورہے تھے۔ پانچ برس ہوئے خالد کے چلے جانے کے بعد تصویر کی یہ دنیا ملیا میٹ ہوچکی تھی۔ میں لندن پیرس اورروالپنڈی کی عشرت نمازندگی کوترک کرکے ہمالیہ کی گود میں اپنے خاندان کی جائیداد پرآبسی تھی۔

واہ میں یہ ترکہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پرمشتمل تھا۔ یہاں میں نے اپنا حسین ورنگین بچپن گزارہ تھا۔ واہ باغات سے گھرا ہوا تھا۔ یہ باغات میرے خاندان کی کئی پشتوں نے لگائے تھے۔ بڑے پتھروں سے بناہوا ہمارا گھراپنے تمام میناروں کے ساتھ اس قدرقدیم لگتا تھا۔ جیسے برف سے ڈھکے ہوئے سفید کوہ پہاڑ جومغرب میں دکھائی دیتے ہیں چونکہ میری آنٹی بھی اس گھر میں رہتی تھی۔ اس لئے علیحدگی کے لئے ایک چھوٹے گھر میں جابسی تھی۔ جومیرے خاندان نے ذرا باہر بنایا تھا۔

بارہ ایکڑ کے کھیت میں یہ گھر ایک موتی دکھائی دیتا تھا۔ میرے آرام کے لئے ہرسہولت اس گھر میں موجود تھی۔ میرے یہاں آنے پر یہ میری توقعات سے بھی زیادہ تھا۔ وسیع باغیہ کافی بڑھ چکا تھا۔ یہ ایک بڑی برکت کا باعث تھا۔ کیونکہ میں نے اپنے غم کا زیادہ بوجھ اس دھرتی میں دفن کردیا۔ کچھ کھیت بودئیے گئے۔ اورباقی زمین قدرتی حالت میں چھوڑدی گئی۔ دھیرے دھیرے باغیچہ لاتعداد نغمہ پرداز چشموں کے ساتھ میری دنیا بن گیا۔ حتیٰ کہ ۱۹۶۶ء تک میں ایک ایسے شخص کی طرح مشہور تھی جس نے تنہائی میں پھولوں کی گود کوآشیانہ بنالیا ہو۔ میں نے تصویر کوایک بار دیکھا اوراٹھاکرمیزپررکھ دیا۔

میں دریچہ میں سے واہ کے گاؤں کانظارہ کرنے لگی۔ گاؤں کے نام کے معنی ہی خوشی کا کلمہ تھا۔ صدیوں پہلے ایک مغل شہنشاہ اکبریہاں سے اپنے قافلے کے ساتھ گزرا تھا۔ اس کا کاروان اس چشمہ کے پاس رُکا تھا۔ جواب میری قیام گاہ تھی۔ بلوط کے درخت کے نیچے آرام کرتے ہوئے اُس نے کہا" واہ !" اوراس طرح اس جگہ کا نام یہ رکھ دیا گیا۔

مگر اُس نظارہ کی یاد سے مجھے کوئی تسکین نہ ملی۔ گزشتہ شام کا اجنبی واقعہ ابھی تک مجھے پریشان کئے ہوئے تھا۔ تاہم کھڑکی کےنزدیک کھڑے میں اسے اپنے ذہن سے نکالنے کی کوشش کی۔ یہ دوسری صبح تھی۔ میں نےاپنے آپ کوبتایا کہ زندگی کا وہی معمول پھرشروع کیا جائے ۔ گزشتہ واقعہ حقیقی دکھائی دیتا تھا۔ مگراس کی حقیقت ایک بھیانک خواب کی سی تھی۔ سفید پردوں کوہٹاتے ہوئے میں نے صبح کی تازہ ہواکا لطف لیا۔

نوکر کے صفائی کرنے کی آواز آرہی تھی۔ صبح کی فضاء میں پن چکی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کے علاوہ فضاء میں جلتی لکڑی کی مہک تھی۔ میں نے سکھ کا سانس لیا۔یہ واہ تھا۔ میرا گھر بلاآخر میں یہاں محفوظ تھی۔

یہ وہ جگہ تھی، جہاں شہزادہ نواب محمد حیات خان بحیثیت ایک زمیندار سات سو برس پیشتر مقیم تھا۔ ہم اس کی پشت میں سے تھے۔ اورتمام ہندوستان میں ہمارا خاندان واہ کے جاگیردار کی حیثیت سے مشہور تھا۔

صدیوں پہلے شہنشاہ شاہراہ سے گذرتے ہوئے ہمارے آباؤ اجداد سے ملاقات کوآتے تھے میرے ہوش سنبھالنے کے دنوں میں بھی یورپ اورایشیا کے بہت سے سیاح ایسی شاہراہ سے گزرتے تھے ے۔ یہ ہندوستان میں قافلو کے لئے ایک قدیم شاہراہ تھی۔ مگراب عام طورپر فقط میرا اپنا خاندان ہی اس پر گامزن میرے پھاٹک کی طرف آتا تھا۔میرا زیادہ تروقت اب اپنے خاندان کے لوگوں کے ہمراہ ہی گزرتا تھا اوردیگرلوگوں سے ملاقات کی مجھے ضرورت بھی نہیں تھی۔ میرے چودہ ملازم میرے لئے کافی رونق فراہم ہم کرتے تھے۔

انہوں نے پشت درپشت میرے خاندان کی خدمت کی تھی۔ میری سب سے بڑی رونق محمود تھا۔ میرا نواسا محمد چاربرس کا تھا۔ اسکی ماں ٹونی میرے تین بچوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ دبلے جسم کی پُرکشش خاتون تھی۔ ٹونی راولپنڈی میں ہولی فیملی ہسپتال میں ڈاکٹر تھی۔ اس کا خاوند ایک مشہور زمیندار تھا۔ ان کی ازدواجی زندگی خوشگوارنہ تھی۔ رفتہ رفتہ ان کی ازدواجی زندگی تباہی کی طرف بڑھتی رہی۔لمبی مُدت کے جھگڑوں میں وہ محمود کومیرے پاس بھیجدیا کرتی تھی۔ ایک روزٹونی اوراُس کا خاوند مجھے ملنے آئے اور کہنے لگے کہ کیا ایک برس کے لئے محمود میرے ہاں رہ سکتا ہے؟ جب تک نہ چاقیاں دُور ہوجائیں۔ میں نے کہا نہیں۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ محمود کی حیثیت ایک ٹینس بال کی سی ہو۔ مگراس بات کے لئے رضامند ہوں کہ اسے اپنے لے پالک بچے کی حیثیت سے رکھ لوں۔افسوس کا مقام کہ ٹونی اوراس کے خاوند کی ازدواجی زندگی بہتر نہ ہوسکی۔ اوربلاآخر طلاق تک نوبت پہنچ گئی۔ تاہم اُنہوں نے مجھے محمود کو لے پالک بیٹے کی حیثیت سے رکھنے کی اجازت دے دی یہ سب بھلادکھائی

دے رہا تھا۔ ٹونی اکثر محمود کوملنے آتی اورہم تینوں آپس میں بہت قریب تھے۔ خاص طوررپر اس حال کہ میرے دوسرے بچے مجھ سے کافی فاصلہ پرتھے۔محمود کومیرے ہاں رہتے ہوئے تین برس کا عرصہ ہوچکا تھا۔ یہ خوبصورت پرکشش بھوری آنکھوں والا بچہ میری خوشیوں کا مرکز تھا۔اس کی بچگانہ ہنسی اس تنہائی کی زندگی کورنگین بنادیتی تھی۔ مجھے فکر لاحق تھی کہ مجھ جیسی شخصیت کا اس بچہ کی زندگی پرکیااثر ہوگا۔ اس بات کا خیال رکھتی کہ اُس کی ہرخواہش پوری ہو۔ تین نوکر اس کی دیکھ بھال کےلئے مخصوص تھے۔ یہ سارا وقت اس کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ کئی دن سے محمود کچھ کھانہیں رہا تھا اس لئے میں قدرے فکرمند تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ محمود اکثر باورچی خانہ میں جاکرنوکروں کوبہلا پھسلا کر اُن سے بسکٹ وغیرہ کھالیا کرتا تھا۔ محمودکوپیارسے گلے لگاتے ہوئے میں نے اسکے نوکروں سے دریافت کیاکہ اس نے کچھ کھایا ہے؟ نہیں بیگم صاحبہ نوکرانی نے آہستہ سے کہا۔ جب میں نے محمود کوکھانے کے لئے مجبورکیا تواُس نے جواب دیاکہ مجھے بھوک نہیں۔میں بہت بے چین تھی جب نورجہاں میرے پاس اکیلے میں آئی اورجھجکتے ہوئے بولی کہ محمود پرآسیب کا سایہ ہے میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

میں نے اس کی طرف تیکھی نگاہوں سے دیکھا اورمجھے گزشتہ واقعہ یادآگیا۔ آخریہ سب کیا ہے۔ ایک باراورمیں نے محمود کوکھانے کے لئے مجبورکیا۔ مگربے کار۔ وہ اپنے دل پسند سوئز چاکلیٹ بھی نہیں کھاتاتھا جومیں نے خاص طورپر اس کے لئے درآمد کئے تھے۔جب میں نے چاکلیٹ کا پیکٹ پیش کیا تواس نے مفہوم نگاہوں سے مجھے تکتے ہوئے کہا کہ میں کھانا توپسند کرتاہوں مگر جب میں نگلنے کی کوشش کرتاہوں تومجھے درد محسوس ہوتاہے۔ خوف کی ایک لہر میرے اندر دوڑگئی کہ ایک وقت یہ بچہ اس قدرچنچل تھا اوراب اس قدر سست ۔ میں نے فوراً اپنے ڈرائیور منظور کوبلایا اوراُسے کارنکالنے کا حکم دیا۔

گھنٹہ بھر میں ہم روالپنڈی میں محمود کے ڈاکٹر کے پاس تھے۔ ڈاکٹر نے محمود کا اچھی طرح معائنہ کیا اوررپورٹ دی کہ اسے کوئی تکلیف نہیں گوواپس آتے وقت محمود

کواس قدرخاموش دیکھ کر میں پریشان تھی۔ مجھے نورجہاں کی بات میں حقیقت دکھائی دینے لگی۔

کیا یہ کوئی مافوق الفطرت بات تھی کیا واقعی اُس پر آسیب کا اثر ہوگیا تھا؟ میں نے بڑھ کر اُسے اپنے بازؤں میں لے لیا۔میں اس قسم کے خیالات سے اپنے آپ پر مسکرائی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بارمیرے باپ نے ایک دقیانوسی مسلمان پیر کے بارے میں بتایا جومعجزات کرتا تھا۔ میں اُس پرزور سے ہنسی تھی۔ میرا باپ اس سے ناخوش ہوا۔ اس طرح کی حکایات کے بارے میں خیالات آج بھی وہی تھے۔

جونہی کارہمارے گھر کی طرف مڑی تومجھے خیال آیاکہ محمود کا معاملہ باغیچہ میں اس دھندلے بادل سے تونہیں؟ جب میں نے اپنے خوف کا ذکر نورجہاں سےکیا تواس نے بڑی پریشانی میں مجھ سے گزارش کی کہ کیا میں گاؤں کے امام کوبلاؤں تاکہ وہ محمود کے لئے دعا کرے اورباغیچہ میں متبرک پانی چھڑکے۔ میں نے اس کی درخواست پر غورکیا۔ میں بنیادی اسلامی تعلیم کو مانتی تھی مگر نمازاورروزہ کی کوئی زیادہ پابند نہیں تھی۔ محمود سے میرا لگاؤ میرے شکوک پر غالب آگیا۔ اورمیں نے نورجہاں سے کہا کہ وہ گاؤں کی مسجد سے امام کو بلا لائے۔

دوسری صبح میں اورمحمود اپنی کھڑکی کے قریب بیٹھے بے تابی سے امام صاحب کا انتظارکررہے تھے ۔آخرکار میں نے اُسے برآمدہ کی سیڑھیوں پرسے آتے ہوئے دیکھا۔ نورجہاں اس شخص کومیرے کمرے میں چھوڑکر خودچلی گئی ۔ محمود نے اجنبی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

قرآن مجید کوکھولتے ہوئے اورمحمود کے سرپرہاتھ رکھتے ہوئے وہ اپنے اندازمیں قُل دہرانے لگا۔ امام صاحب نے تلاوت شروع کردی۔ مولوی صاحب نے مجھے بھی قرآن شریف پڑھنے کی ہدایت کی۔ اس نے سورہ خلق اورسورہ ناس کی طرف اشارہ کیا جومصیبت کے وقت دہرائی جاتی ہیں ۔ کہنے لگے کہ آپ بھی اُن کو دہرائیں۔اب میں نے متقی انداز اختیارکرتے ہوئے کہا کہ خدا مجھے بھول چکا ہے اورمیں خدا کو بھول چکی ہوں مگربزرگ آدمی کے چہرے کودیکھتے ہوئے میرا لہجہ نرم ہوگیا۔ آخروہ میرے کہنے پر محمود کی بھلائی کے لئے آیا تھا۔ میں نے قرآن مجید کوہاتھ میں لیتے ہوئے

تلاوت کے لئے کھولا۔ میرے سامنے یہ آیت تھی۔ محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اورجو اُن کے ساتھ ہیں۔ وہ کافروں کے حق میں سخت ہیں (سورہ الفتح آیت ۲۹)۔

اس کے ساتھ ہی تمام گذشتہ واقعات میرے تصورات کی دنیا میں گردش کرنے لگے۔ مجھے خیال گزرا کہ کیا ان تمام واقعات کا میری اور محمود کی زندگی سے کوئی حقیقی تعلق ہے۔ میں خوف سے کانپ گئی۔ مگرمولوی صاحب پرسکون تھے۔

میری مصروفیات کے باوجود وہ تین روزتک محمود پر دم کرنے کے لئے آتا رہا۔کچھ اوراجنبی واقعات کے بعدخود بخود محمود کی صحت قدرے سنبھل گئی۔ ان تمام واقعات میں کیا راز تھا اس کی حقیقت جلدہی مجھ پر کھلنے والی تھی۔ کیونکہ میرے جانے بغیر ایسے واقعات حرکت میں آچکے تھے جوماضی کودرہم برہم کرنے والے تھے۔

دوسرا باب

عجیب کتاب

ان تجربات کے بعد میرا لگاؤ قرآن مجید کی طرف ہوا۔ ہوسکتا ہے ان میں ان کی تعبیر ہو اوراس کے ساتھ میرے باطنی خلا کو پُرکرسکے یقیناً قرآن کے عربی حروف میں میرے خاندان کے لئے گویا اُن کے سوالات کا جواب تھا۔

بلاشبہ میں نے قرآن مجید پہلے پڑھا ہوا تھا۔ مجھے اچھی طرح یادہے کہ میں چاربرس چارماہ چاردن کی تھی جب میں نے تلاوت قرآن سیکھنا شروع کیا تھا۔اُس موقع پر بڑی ضیافت دی گئی ۔ جس میں میرے تمام رشتہ دار شریک تھے۔ اس کے بعد گاؤں کے امام کی بیوی نے مجھے عربی حروف ابجدسکھانا شروع کئے۔ خاص طورپر مجھے چچا فتح یاد ہیں۔ ہم اُنہیں بڑے چچا کہہ کرپکارتے تھے۔ میرے وہ حقیقی چچا نہیں تھے۔ مگرخاندان سے قریبی تعلقات کے سبب سے ہم اُنہیں چچا کہتے تھے مجھے ٹھیک طورپریادہے کہ جب مجھے یہ کہانی پڑھ کر سنائی گئی کہ کیونکہ جبرائیل فرشتہ

حضرت محمد کے پاس آئے اور ۶۱۰ء میں اُنہیں قرآن کی تعلیم دی۔

پہلی بار اس مقدس کتاب کو پڑھنے میں مجھے سات سال لگے مگر جب میں نے قرآن مجید ختم کیا تو ایک اور خاندانی ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ اس سے پہلے میں نے قرآن ایک فرض سمجھ کر پڑھا تھا۔ مگر اس دفعہ میں نے فیصلہ کیا کہ میں غور سے اس کی معنی کے ساتھ تلاوت کروں گی۔ قرآن مجید کی وہ جلد جو میری ماں نے مجھے دی تھی میں نے اس کا مطالعہ شروع کر دیا میں نے اسے پہلی آیت سے شروع کیا۔ میں نے وہ پہلا پیغام پڑھا جو حضرت محمد کو غارِ حرا میں ملا تھا۔ جب وہ غارِ حرا میں اکیلے بیٹھے تھے۔

(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم۔

جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا" (سورہ علق ۱ تا ۴)۔

اولیں میں الفاظ کی خوبصورت میں کھو گئی۔ مگر بعد میں کچھ الفاظ تھے جو میرے لئے کسی تسلی کا باعث نہ تھے۔

پھر جب وہ اپنی میعاد کے قریب پہنچ جائیں تو یا تو ان کو اچھی طرح سے رہنے دو یا اچھی طرح سے علیحدہ کر دو۔ (سورہ الطلاق آیت ۲)۔

میرے خاوند کی آنکھوں میں فولاد کی سی سختی تھی۔ جب اُس نے مجھے بتایا کہ اُسے مجھ سے اب کوئی محبت نہیں ؛جب اس نے یہ الفاظ کہے تو میں اپنے باطن میں کانپ گئی۔ وہ سال جو ہم نے اکٹھے بسر کئے تھے ان کا کیا ہوا؟ کیا ان کو اس طرح مٹایا جا سکتا ہے۔ کیا قرآن کے مطابق میں میعاد کے قریب پہنچ چکی تھی۔

اگلی صبح میں نے پھر قرآن ہاتھ میں لیا۔ مجھے اُمید تھی کہ مجھے کوئی وہ دلاسہ ملے گا جس کی مجھے اشد ضرورت ہے جس سکون کی مجھے تلاش تھی۔ وہ تو نہ ملا۔ مگر نے یہ ضرور دیکھا کہ زندہ کیسے رہنا ہے۔ اور دوسرے عقائد سے کیونکر خبردار رہنا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آیات تھیں جن کے پیغام کو قرآن کے مطابق پہلے مسیحیوں نے غلط انداز میں پیش کیا ہے۔ اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کنواری سے پیدا ہوئے۔ لیکن وہ خدا کے بیٹے نہیں تھے۔

لہذا قرآن نے مسیحی عقیدہ تثلیث سے خبردارکرتے ہوئے کہا کہ تین مت کہو۔ تمہارے لئے اچھا ہے کہ اس سے بازآؤ کیونکہ اللہ ایک ہے۔ کئی روزقرآن کے مطالعہ میں لگے رہنے کے بعد ایک دوپہر میں نے اسے ایک طرف رکھ کر میں ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے اٹھی۔اوراپنے باغیچہ کی طرف چل دی۔ مجھے اُمید تھی کہ خطرات اورپُرانی یادیں مجھے کچھ سکون فراہم کریں گی۔ فطرت حسین منظر پیش کررہی تھی اورسبزہ زاراپنے جوبن پر تھا اورپھول مسکارہے تھے۔ دن کافی گرم تھا۔ محمود اس راستہ پر چل رہا تھا جہاں میں اپنے بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ چہل قدمی کیا کرتی تھی۔ میرے تصورمیں یہ تصویر تھی کہ وہ میرے ساتھ چل رہے ہیں۔ حکومت کے وزیر کے شایانِ شان وہ برطانوی شرفاء کےلباس میں ملبوس رہتے تھے۔ اکثر وہ مجھے میرے پورے نام سے پکارتے تھے" بلقیس سلطانہ" مجھے یہ نام سننے سے مسرت ہوتی تھی۔کیونکہ بلقیس شیبا کی ملکہ کا پہلا نام تھا اورہرایک جانتا تھاکہ سلطانہ کا مفہوم شاہی ہے۔ اورہم دیر تک باتوں میں لگے رہتے تھ آخری برسوں میں ہم اپنے نئے ملک پاکستان کے بارے میں گفتگو سے لطف اندوزہوتے تھے۔ اُنہیں اس پربڑا ناز تھا۔ پاکستان کی اسلامی سلطنت خاص طورپر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لئے معرضِ وجود میں آئی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ہم دنیا میں سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہیں جس میں اسلامی قانون ہے۔ وہ مزید کہتے کہ ۹۶فیصد آبادی مسلمانوں کی ہے۔ باقی مسیحیوں،بدھ مت،اورہندوؤں کے بکھرے ہوئے گروہ ہیں۔

لیونڈرکے پھولوں سے لدی ہوئی پہاڑیوں کومیں نے اپنے باغیچہ سے دیکھا۔ میں اکثر اپنے باپ کی موجودگی میں پرسکون رہتی تھی اُن کے آخری ایام میں توگویا میں اُن کی ساتھی بن چکی تھی۔ میں اکثر اپنے ملک کی تیزی سے بدلتی ہوئی سیاست پربات چیت کرتی اوراپنے خیالات ظاہرکرتی وہ بہت نرم مزاج اورسمجھدارشخصیت تھے۔ مگراب وہ رحلت فرماچکے تھے ۔ مجھے ان کی کھلی ہوئی قبرکے سامنے کھڑے ہونا یادہے جولندن سے باہر بروک ووڈ Brook Wood میں مسلمانوں کے قبرستان میں ہے۔ وہ لندن میں آپریشن کے لئے آرہے تھے۔ مگرصحت یاب نہ ہوئے۔ اسلامی دستورکے

مطابق لاش چوبیس گھنٹے کے اندر اندر سپردخاک ہوجانی چاہیے۔ میرے قبر پر پہنچنے پروہ لاش کو قبر میں رکھنے ہی والے تھے میرے لئے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ میں پھر اپنے باپ کونہ دیکھ سکوں گی۔ اُنہوں نے تابوت کا ڈھکنا کھولا۔ اورمیں نے اپنے باپ کاآخری دیدارکیا۔ مگراب یہ سرد سفید لاس میرے باپ کی نہیں لگتی تھی۔ وہ کہاں جابسا تھا۔ میں بُت بنی کھڑی تھی تابوت کا ڈھکنادوبارہ اوپر رکھ دیا گیا۔ تابوت میں جانے والا ہرکیل گویا میرے بدن میں پیوست ہورہاتھا۔ سات برس بعد میری ماں بھی چل بسی۔

پرچھائیں ڈھل چکے تھے اورمیں پھرشام کے دھندلے میں کھڑی تھی۔ پُرانی یادیں سکھ کی بجائے مجھے دکھ دے رہی تھیں۔ دورموذن شام کی نمازکے لئے لوگوں کوبلارہا تھا۔ اُس آوازسے میرے اکیلے پن میں اوراضافہ ہوگیا۔ دعائیہ انداز میں نے کہا" اے اللہ کہاں ہے وہ سکھ وچین جس کا تونے وعدہ کیا ہے؟"

خواب گاہ میں آکر اسی شام پھر میں نے قرآن مجید اٹھایا۔ جو ں ہی میں نے مطالعہ شروع کیا،میں یہودیوں اورمسیحیوں کی کتابوں کے حوالجات سے متاثر ہوئی جواس سے پہلے اتری تھیں۔ مجھے ان کتابوں میں اپنی تلاش جاری رکھنے کاگمان ہوا۔

مگراس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں بائبل پڑھوں۔ بائبل کیونکر مدد دے سکتی ہے۔ جبکہ ابتدائی مسیحیوں نے اسے بدل کرپیش کیا ہے مگر بائبل پڑھنے کا خیال زورپکڑتا گیا۔ بائبل میں خدا کا تصورکیا ہے۔ یہ حضرت مسیح کے بارے میں کیا کہتی ہے۔ شائد مجھے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اب مسئلہ یہ تھاکہ بائبل کہاں سے لوں۔ہمارے علاقے میں کسی دکان پربائبل میسرنہیں تھی۔ شاید ریشم کے پاس بائبل ہو۔ مگرمیں نے اس خیال کوترک کردیا۔ اگرچہ اُس کے پاس ہوتوبھی میری درخواست سے وہ ہراساں ہوجائے گی۔ پاکستانیوں کومحض کسی مسلمان کومسیحی بنانے کی بناء پر قتل کیا گیا تھا۔ میں نے اپنے دوسرے مسیحی نوکروں کے بارے میں سوچا۔ میرے خاندان نے مجھے خبردارکیا تھا کہ میں کسی مسیحی کو اپنا ملازم نہ رکھوں کیونکہ ان پربھروسہ کرنا محال ہے۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ کیونکہ جب

تک وہ اپنے فرائض کونبھاتے تھے مجھے تسلی تھی۔ بلاشبہ وہ محبت مخلص نہ تھے۔

جب بیرونی مشنری برصغیر ہندوپاک میں آئے ،نیچی ذات کےلوگوں کومسیحی بنانا آسان تھا۔ لہذا بیشتر لوگ جنہوں نے مسیحیت کوقبول کیا وہ ان ہی لوگوں میں سے تھے۔ مسلمانوں میں ان کی کوئی قدرومنزلت نہ تھی۔کیا ان کے اس مذہب کوقبول کرنے کا سبب وہ سہولتیں نہیں تھیں جومشنریوں نے انہیں فراہم کیں جن میں روٹی کپڑا اورتعلیم شامل تھی۔ خودہماری نگاہ میں مشنری مضحکہ خیز تھے۔ وہ اُن غریب لوگوں میں بڑے المناک سے معروف رہتے تھے۔ کچھ روز ہوئے میرے ڈرائیور منظور نے مجھے سے ایک مشنری کومیرا باغیچہ دکھانے کی اجازت مانگی۔ کہنے لگا کہ اُنہوں نے باہر سے میرا باغیچہ دیکھ کر اسے بہت سراہا ہے۔ میں نے اجازت دے دی مجھے خیال گزرا کہ بیچارہ منظور اُنہیں اس طرح متاثرکرنا چاہتا ہے۔

چند روز بعد میں اپنی کھڑکی میں سے نوجوان امریکن جوڑے کومنظور کے ساتھ اپنے باغیچہ میں ٹہلتے دیکھا۔ منظور نے اُن کا تعارف پادری مچل اورمسزمچل کے نام سےکروایا۔ دونوں مغربی لباس میں ملبوس تھے۔ اوران کے بال سنہرے تھے۔ میں نے سوچا کہ کس قدربے رنگ سے یہ لوگ ہیں۔

تاہم میں نے مالی سے کہدیاکہ اگروہ چاہیں تو اُنہیں بیج دے دینا مگران کے بارے میں سوچتے ہوئے میرا بائبل حاصل کرنے کا جواب مل گیا، میں کل منظورکوبائبل میسر کرنے کاکام سپرد کروں گی۔لہذا میں نے اگلی صبح اُسے بلا بھیجا، وہ اپنے سفید کپڑوں میں لاچاری کی حالت میں میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس سے میں پریشان تھی ، میں نے کہا مجھے ایک بائبل چاہیے ۔ منظورپریشانی کے عالم میں بولا" بائبل" بڑے صبر کوخاطر لاتے ہوئے میں نے کہا" بلاشبہ بائبل " چونکہ منظوران پڑھ تھا۔ مجھے یقین تھاکہ اس کے پاس بائبل نہیں ہوگی۔ مگر میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے مہیا کرسکتا ہے۔ دبی زبان میں اُس نے کچھ کہا۔ جومیں نہ سمجھ سکی۔ میں نے اسے حکم کے طورپر بائبل مہیا کرنے کو کہا۔ بڑے احترام سے وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ مجھے معلوم

تھاکہ وہ میری مانگ کو پورا کرنے سے کیوں اعتراض کررہا تھا۔منظورکی طبیعت ریشم کی سی تھی۔ وہ دونوں اس لڑکی کے قتل کی وجہ سے ہراساں تھے وہ اس خوف کا شکارتھے کہ اونچے گھرانے کے مسلمانوں کوبائبل دینا اُن کو مصیبت میں ڈال سکتا ہے۔

دوروز بعد منظور ٹونی سے ملاقات کی خاطر مجھے راولپنڈی لے جارہا تھا۔منظور، ابھی تک بائبل نہیں ملی؟ میں اسٹئیرنگ پر اُس کا رنگ پیلا پڑتا دیکھ رہی تھی۔ بیگم صاحبہ! میں آپ کو لادوں گا۔ تین روز بعد میں نے اُسے بلوا بھیجا اورکہا منظور تین بار میں نے تم سے بائبل لانے کے لئے کہا ہے مگر تم نہیں لائے۔ میں تمہیں ایک دن اوردیتی ہوں اگربائبل نہ آئی توتم ملازمت سے برخاست ۔ اُس کے ہاتھوں سے طوطے اڑگئے۔وہ جانتا تھاکہ جومیں کہہ دیتی تھی وہی کرتی تھی۔ وہ بوجھل قدموں کے ساتھ میرے پاس سے رخصت ہوگیا۔ دوسرے روز ٹونی کے آنے سے پیشتر ایک چھوٹی بائبل پراسرارطورپر میرے ڈرائینگ روم کی میز پرپڑی تھی۔ میں نے اُسے اٹھا کر غورسے اُس کا مشاہدہ کیا۔یہ ایک سادہ سے مٹیالے رنگ میں مجلداردو کی بائبل تھی ایک سواسی برس پیشتر ایک انگریز نے اُس کا ترجمہ کیا تھا۔ اور میرے لئے فرسودہ قسم کے فقرات کوسمجھنا مشکل تھا۔ یقیناً منظور نے کسی دوست سے لی ہوگی۔ یہ تقریباً نئی تھی۔ میں نے اس کی ورق گردانی کرنے کے بعد اسے رکھ دیا اوربھول گئی۔

کچھ عرصے کے بعد ٹونی آپہنچی۔ محمود چلاتا ہوا اس کی طرف بھاگا۔ اس کومعلوم تھا کہ اس کی ماں اس کے لئے کھلونے لائی ہوگی۔محمود اپنا کھلونا لے کر باہر چلا گیا۔ ہم دونوں چائے پینے لگیں۔ اسی وقت ٹونی کی نظر میرے پاس میز پر رکھی ہوئی بائبل پر پڑگئی۔ وہ کہنے لگی اوہ بائبل اسے کھول کردیکھو یہ کیا کہتی ہے۔ ہمارے خاندان میں ہرمذہب کی کتاب کو قدرکی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کسی مقدس کتاب کو فال کے طورپر کھولنا ایک معمول تھا اوریہ دیکھنا کہ آنکھیں بند کرکے جس حصہ پر ہاتھ رکھیں اس میں کیا نبوت ہے۔ بائبل کوکھولا اوراس کے الفاظ کودیکھنے لگی۔ پھرایک پُراسرار

واقعہ پیش آیا۔ میری توجہ دائیں ہاتھ کے صفحہ کے کونے پر پڑی اورمیں اُسے پڑھنے کے لئے جھکی۔

"جومیری اُمت نہ تھی اُسے اپنی اُمت کہونگا اورجوپیاری نہ تھی اُسے پیاری کہوں گا اورایسا ہوگا کہ جس جگہ ان سے کہا گیا تھا کہ تم میری اُمت نہیں ہواسی جگہ وہ زندہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے"۔(رومیوں ۹باب کی ۲۵تا ۲۶)۔

میرے بدن میں سرسراہٹ سی محسوس ہوئی میں نے سانس روک لیا۔ مجھے یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ آیت مجھے اس قدرمتاثر کیوں کررہی ہے جومیری اُمت نہ تھی اُسے اُمت کہوں گا۔۔۔ جس جگہ ان سے کہا گیا تھا کہ تم میری اُمت نہیں ہواسی جگہ وہ زند خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔ کمرے میں سکوت طاری تھا۔ میں نے نگاہ اٹھا کرٹونی کی طرف دیکھا ٹونی کچھ سننے کی منتظر تھی کہ میں نے کیا ڈھونڈا ہے۔ مگر میں اونچی آوازمیں آیت پڑھنے سے قاصر تھی۔اُس میں میرے لئے اس قدر گہرائی تھی کہ محض لطف کے لئے اُنہیں پڑھنا میرے لئے محال تھا۔ ٹونی کی اٹھی ہوئی نگاہیں مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ امی کیا ہے؟میں نے کتاب بند کردی اوردبی زبان میں بولی کہ اب یہ کھیل نہیں رہا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ دہکتی ہوئی آگ کی طرح الفاظ میرے اندر بھڑک رہے تھے۔ اوران کا انجام اُن غیر معمولی خوابوں کی تیاری تھا جومیں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھیں۔

تیسرا باب

"سپنے"

دوسرے روز میں نے پھر بائبل اٹھائی۔ گفتگو کا موضوع بدلنے کے بعد نہ ٹونی نے اور نہ ہی میں نے بائبل سے متعلق کوئی بات کی۔ مگر طویل عرصہ تک اُس حوالہ کے الفاظ میرے تحت الشعور میں موجزن رہے۔ دوسرے روز علی الصبح میں تسلی سے بائبل کا مطالعہ کرنے کی خاطر اپنی خواب گاہ میں گئی۔ میں نے بائبل لی۔ اور اپنے دیوان کے سفید تکیوں کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔ ورق گردانی کرتے ہوئے ایک اور پریشان کن حوالہ میرے سامنے تھا۔

"مگر اسرائیل جو راستبازی کی شریعت کی تلاش کرتا ہے اس شریعت تک نہ پہنچا (رومیوں ۹ باب ۳۱)۔

میں نے سوچا آہ! بالکل جس طرح قرآن شریف نے فرمایا یہودیوں نے اپنا مقام کھودیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس حوالہ جات کا مصنف کوئی مسلمان ہو۔ یہ خیال مجھے اس لئے اچھا گذرا کیونکہ مصنف کہہ رہا تھا کہ اُنہوں نے خدا کی راستبازی کو نہ جانا۔

مگر دوسرے حوالے کو پڑھ کر میں نے دم سادھ لیا۔ کیونکہ ہر ایک ایمان لانے والے کی راستبازی کے لئے مسیح شریعت کا انجام ہے"۔ لمحہ بعد کے لئے میں نے نگاہ کتاب سے ہٹالی مسیح؟ شریعت کا انجام ہے"۔ میں نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا" یہ کہ کلام تیرے نزدیک ہے بلکہ تیرے منہ اور اور تیرے دل میں ہے ۔ یہ وہی ایمان کا کلام ہے جس کی ہم منادی کرتے ہیں کہ اگر تو اپنی زبان سے یسوع کے خداوند ہونے کا اقرار کرلے اور اپنے دل سے ایمان لائے کہ خدا نے اُسے مردوں میں سے جلایا تو نجات پائیگا (رومیوں ۱۰: ۸ تا ۹)، میں نے یعنی میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کتاب نیچے رکھ دی۔ یہ بلاواسطہ قرآن کا تضاد تھا۔ مسلمان کا یقین ہے کہ حضرت مسیح محض انسان تھے اور یہ انسان صلیب پر نہیں مرے تھے بلکہ خدا نے اُنہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا تھا۔ اور اُن کی تشبیہ کا کوئی آدمی صلیب پر چڑھا دیا گیا تھا۔ اور اب وہ ایک نیچے درجے کے آسمان میں مقیم ہیں۔ یہی مسیح کسی دنیا پر چالیس برس حکومت کرنے آئیں گے۔

درحقیقت میں نے سنا ہے کہ مدینہ میں ان کے لئے ایک جگہ موجود ہے۔ اس شہر میں جہاں حضرت محمد مدفون ہیں۔ قیامت کے روزیسوع زندہ ہوں گے اوردوسرے لوگوں کے ساتھ خدا کے تخت عدالت کے روبرو کھڑے ہوں گے۔مگر بائبل کا بیان ہے کہ مسیح مردوں میں سے جی اٹھا ہے یا تویہ کفر ہے اوریا ۔۔۔۔ میرا ذہن چکراگیا۔ میں جانتی تھی کہ جواللہ کا نام لے گا وہ بچایا جائے گا۔ مگریہ ماننا کہ یسوع اللہ ہے میرے لئے ایک مسئلہ تھا۔ حضرت محمد بھی جوکہ نبی آخرالزماں اورسب سے بڑے پیغمبر تھے۔ محض فانی تھے۔ میں بسترمیں لیٹ گئی۔ میرے ہاتھ میری آنکھوں پرتھے۔ میں نے سوچا کہ اگربائبل اورقرآن ایک ہی خدا کی بشارت دیتے ہیں توان میں اس قدرالجھن اورتضادکیوں ہے؟

معلوم نہیں میں کب سوگئی۔ مجھ سپنے نہیں آتے۔ مگراس شب میں نے خواب دیکھا۔ خواب زندگی کی مانند تھا اورواقعات اس قدرحقیقی تھے کہ میرے لئے یہ ماننا محال تھا کہ یہ محض ایک وہم تھا کیا دیکھتی ہوں کہ میں ایک آدمی کے ساتھ کھانا کھارہی ہوں۔ جوکہ مجھے معلوم تھاکہ یسوع ہے۔ وہ میرے گھر میں مجھ سے ملاقات کوآیا تھا، اوردو روزتک رہا۔ میز کی دوسری طرف وہ میرے روبرو بیٹھے تھے اوراطمینان اورخوشی سے ہم نے کھانا کھایا اچانک سپنا تبدیل ہوگیا۔ اب میں پہاڑکی چوٹی پرایک اورشخص کے ہمراہ تھی۔ وہ ایک چغے میں ملبوس تھا اورسینڈل پہنے ہوئے تھا۔

یہ کیونکر ممکن تھا کہ پُراسرارطورپرمیں اُس کے نام سے بھی واقف تھی" یوحنابپتسمہ دینے والا" کیا اجنبی سا نام تھا۔ میں یوحنا کویسوع سے اپنی ملاقات کے بارے میں بتارہی تھی ۔ میں نے کہا کہ" خداوند آیا اوردوروزتک میرا مہمان رہا۔ مگراب وہ جاچکا ہے۔ وہ کہاں ہے۔ ضرور ہے کہ میں اس کوتلاش کروں۔ یوحنا اصطباغی شائد آپ مجھے اُن کا پتہ بتاسکیں۔ یہ خواب تھا۔ جاگنے پرمیں اونچی آواز میں یہ بنام پکاررہی تھی"۔ یوحنا اصطباغی ،یوحنا اصطباغی، نورجہاں اورریشم دوڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ میرے چلانے کے سبب وہ کچھ شرمسارسی ہوگئیں اورپوں ظاہرکرنے لگیں کہ وہ میرے غسل کے لئے تیاری کررہی ہیں۔ جونہی وہ اپنے کام میں مصروف ہوئیں میں نے انہیں اپنا خواب بتانے کی

کوشش کی۔ نورجہاں نے ہنستے ہوئے مجھے عطر کی طشتری پیش کی۔

میرے بال بناتے ہوئے دبے الفاظ میں ریشم کہنے لگی یقیناً یہ مبارک سپنا تھا۔ میں حیران تھی کہ باوجود مسیحی ہونے کے ریشم نے کسی قسم کی خوشی کا اظہار نہ کیا۔ میں نے اُس سے یوحنا اصطباغی کے بارے میں پوچھا پھر خود ہی سوچا کہ ریشم ایک سادہ دیہاتی عورت بھلا کیا جانے کہ یوحنا اصطباغی تھا کون۔ جہاں تک میں نے بائبل کا مطالعہ کیا تھا، میں اس نام سے ناواقف تھی۔

لگے تین روز میں نے قرآن مجید اور بائبل کا مطالعہ مسلسل جاری رکھا۔ کبھی ایک کو پڑھتی اور کبھی دوسری کو۔ قرآن کا مطالعہ تو میرے لئے ایک فرض تھا۔ اور پھر اس کے ساتھ ساتھ میں مسیحیوں کی اس نئی کتاب گویا غوطے مار کر اپنی الجھا دینے والی اُس دنیا کا سراغ ڈھونڈ رہی تھی جو میں نے پائی تھی۔ ہر بار بائبل کھولنے پر احساس جُرم مجھ پر طاری ہو جاتا۔ شائد یہ احساسِ جرم میری سخت تربیت کے سبب سے تھا۔

میرے بالغ ہونے پر بھی میرا باپ میرے مطالعہ کی کتابوں کی چھان بین کرتا تھا۔ ایک دفعہ میرا بھائی اور میں چوری چھپے ایک کتاب کمرے میں لے آئے تھے۔ اگرچہ یہ کتاب بُری نہیں تھی تو بھی اُس کو پڑھتے وقت ہم کافی خوفزدہ تھے۔ اب جب میں بائبل مقدس کھولتی ہوں تو میں اُسی خوف کو محسوس کرتی تھی۔

ایک کہانی میری توجہ کا مرکز تھی۔ یہ یہودی رہنماؤں سے متعلق تھی جو ایک عورت کو حضرت مسیح کے پاس لائے جو زناکاری کے گناہ میں پکڑی گئی تھی۔ میں اُس عورت کے انجام سے کانپ گئی تھی۔ میں اُس عورت کے انجام سے کانپ گئی۔ قدیم مشرقی اخلاقی قوانین ہمارے پاکستانی اخلاقی قوانین سے کچھ مختلف نہ تھے۔ معاشرے کے لوگ زناکار عورت کو سزا دینے کے پابند تھے۔ جونہی میں نے بائبل میں اُس مجرم عورت کے بارے میں پڑھا جو اپنے فتویٰ لگانے والوں کے روبرو کھڑی تھی تو میں جانتی تھی کہ پہلی صف میں اُس کے اپنے رشتہ دار اُسے سنگسار کرنے کے لئے کھڑے تھے۔ پھر نبی نے کہا" تم میں سے جو بے گناہ ہو وہ اسے

پہلے پتھر مارے (یوحنا ۸: ۷)۔ میں نے اپنے قصورمیں ان آدمیوں کودبے پاؤں سرجھکائے جاتے دیکھا بجائے اس کے اُسے واجبی موت کا حکم سنایا جاتا۔ یسوع نے اُس پر الزام لگانے والوں کو اُن اپنا گناہ ماننے مجبورکردیا۔ میں سوچ کے دھارے میں اس قدربہہ گئی کہ کتاب میری آغوش میں گرگئی۔ نبی کا چیلنج بڑا منطقی اورحقیقت شناس تھا۔ اُس نے سچائی بیان کی تھی۔

تین روزبعد میں نے ایک اوراجنبی سپنا دیکھا۔ دیکھتی کیا ہوں کہ اپنی خواب گاہ میں ہوں جبکہ ملازمہ نے بتایا کہ اک عطر بیچنے والا مجھ سے ملاقات کا مشتاق ہے۔اُن دنوں بیرونی عطر کی پاکستان میں قلت تھی مجھے بہت ڈرتھا کہ میری پسندیدہ اشیاء میں کمی واقع ہورہی تھی۔ پس میں نے ملازمہ کوحکم دیاکہ عطر فروخت کرنے والے کو اندربلالاؤ۔ وہ اُن عطر فروخت کرنے والوں کے لباس میں تھا جومیری ماں کے زمانے میں ہواکرتے تھے۔ اُس وقت یہ سوداگرگھرگھر اپنی اشیاء فروخت کرتے تھے۔ وہ ایک لمبا سیاہ چغہ پہنے تھا اورتھیلے میں اپنا سامان اٹھائے ہوئے تھا۔اُس نے تھیلاکھولا اوراس میں سے ایک سبزی مائل مرتبان کھولا۔ ڈھکنا کھولتے ہوئے اس نے مرتبان مجھے تھمادیا۔ اُس پر نگاہ کرمیں نے دم سادھ لی۔ عطرف شفاف شیشہ کی طرح چمک رہا تھا میں اسے چھونے ہی والی تھی کہ عطر بیچنے والے نے اپناہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ نہیں! اورمیرے ہاتھ سے مرتبان واپس لیتے ہوئے اُس نے اُسے میرے سنگھارمیز پررکھ دیا۔ اور کہنے لگے کہ اس کی خوشبو دنیا بھر میں پھیل جائے گی۔

صبح اٹھنے پربھی خواب میرے ذہن میں تازہ تھا۔سورج کی کرنیں کھڑکی میں سے جھانک رہی تھیں۔اس کی مہک سے کمرہ بھرا ہوا تھا۔ میں نے اٹھ کر اپنےپلنگ کے قریب پڑے ہوئے میزکودیکھا۔ مجھے مدھم سی توقع تھی کہ سنہری مرتبان اُدھر پڑا ہوگا۔مگرمرتبان کی جگہ میں نے بائبل کوپڑھے دیکھا میں لرزگئی۔ ان دوخوابوں میں غورکرتے ہوئے میں اپنے پلنگ پربیٹھ گئی ان کا کیا مفہوم ہوسکتا ہے؟ سالہسال مجھے خواب نہیں آیا تھا اوراب اس قدرحقیقی اورسلسلہ وارخواب آرہے تھے۔ کیا ان سپنوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق تھا۔ کیا ان کا رشتہ مافوق الفطرت دنیا کے

حقائق سے تھا۔اس بعد ازدوپہر میں معمول کے مطابق باغیچہ میں چہل قدمی کرنے لگی۔ ابھی تک میں اپنے خوابوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ مگراب اس میں اضافہ ہوچکا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ میں ایک عجیب خوشی محسوس کررہی ہوں۔ ایک اطمینان جس کو میں نے پہلے کبھی نہ پایا تھا۔

یوں لگتا تھا کہ میں خدا کی حضوری کے قریب ہوں۔ میں باغیچہ سے نکل کرکھلے میدان میں آئی۔ سورج چمک رہا تھا۔ میرے چاروں طرف کی فضا معطر تھی۔ یہ پھولوں کی خوشبو نہ تھی ۔ پھول کھلنے کا موسم گزرچکا تھا۔ بہر حال یہ ایک حقیقت سی مہک تھی۔ کچھ بے چینی کے عالم میں گھر کی طرف لوٹی۔ یہ مہک کہاں سے آئی تھی؟ میرے ساتھ کیا ہورہا تھا۔جومیرے ساتھ ہورہا تھا میں اس کا ذکر کس کے ساتھ کرسکتی تھی۔ یہ کوئی ایسا شخص ہونا چاہیے تھا جسے بائبل کا کچھ علم ہو۔ میں نے مسیحی ملازموں سے دریافت کرنے کا خیال ترک کردیا تھا۔

اولین اُن سے کس قسم کی معلومات حاصل کرنا قابل خیال تھا۔ غالباً اُنہوں نے خودکبھی بائبل کامطالعہ نہ کیا ہوگا۔ اوروہ میری بات کو نہ سمجھ پائیں گے۔ مجھے کسی ایسے شخص سے بات کرنا ہے جو تعلیم یافتہ ہو۔ اورجسے اس کتاب کا علم ہو۔ جب میں نے اس سوال پرغورکیا تومجھے ایک عجیب خیال گزرا۔ اس خیال سے کشمکش جاری رہی۔ یہ مدد کے لئے جانے کے لئے آخری مقام ہوگا۔

میرے ذہن میں مسلسل ایک نام آتا رہا اورآخر کا میں نے منظورکوبلا بھیجا کاربا ہر نکالو اورساتھ ہی میں نے مزید کہا کہ میں خودکارچلاؤں گا۔ منظورکی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ آپ خود! جی ہاں میں خود،جھجکتے ہوئے وہ چلا گیا۔ شام کو اس قدردلیری سے میں نے شاذونادرہی کبھی کاربا ہر نکالی ہوگی۔

دوسری جنگ عظیم میں بری فوج میں عورتوں کے دستہ میں تھی۔ اورمیں نے ہرقسم کی گاڑیاں میلوں میل ہرطرح کے خطرے میں چلائی تھیں۔ مگروہ جنگ کی بات تھی۔اوراُس وقت کوئی نہ کوئی میرے ہمراہ ہوتا تھا۔ یہ توقع نہیں کی جاتی تھی کہ نواب کی صاحبزادی اس قدراندھیرے میں اپنی کارخود چلائے۔مگر میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے

اقدام کا منظور کو پتہ چلے اور راز کھول جائے۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے سوالات کا جواب صرف ایک جگہ ہی پاسکتی ہوں۔ یوحنا اصطباغی کون؟ یہ چاروں طرف مہک آخر کیا تھی؟ لہذا اُس شام میں بڑی مزاحمت کے ساتھ اُس جوڑے کے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ جن سے یہ بخوبی واقف نہ تھی۔ یہ پادری مچل اور اُس کی بیگم تھے۔ وہ موسم گرما میں میرا باغیچہ دیکھنے بھی آئے تھے۔ مسیحی مشنریوں میں وہ آخری لوگ تھے۔ جن سے میں تعلقات استوار کرنے کی مشتاق تھی۔

چوتھا باب

"مقابلہ"

منظور نے کار اسٹارٹ کی اور جب تک میں نہ آئی وہ کار میں ہی بیٹھا رہا۔ تاکہ کار گرم رہے۔ اُس کی سیاہ آنکھیں ابھی تک میرے فیصلہ پر شک کر رہی تھیں۔ مگر وہ منہ سے کچھ نہ بولا۔ میں شام کے دھندلکوں میں کار چلاتی ہووی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئی۔ میرے ساتھ والی سیٹ پر بائبل پڑی تھی۔ واہ کے اُس گاؤں میں ہر کوئی ایک دوسرے کا واقف تھا۔ مسٹر مچل کا گھر واہ میں سیمنٹ فیکٹری کے قریب تھا۔ اُس فیکٹری میں ہمارے خاندان کا حصہ تھا۔ اور یہ قصبہ سے کوئی پانچ میل دور تھی۔ مگر ایک چھوٹے سے عجیب معاشرے کا مرکز تھی۔ گھر فوجی بیرکوں کی طرح تھے۔ جو انگریز فوج کے لئے دوسری جنگ عظیم میں عارضی طور پر بنائے گئے تھے۔ ٹین کی چھت جگہ جگہ سے دوبارہ مرمت کی گئی تھی۔

کار چلاتے وقت میں ایک اجنبی سے خوف اور توقع میں مبتلا تھی۔ اس سے پیشتر میں کسی کرسچین مشنری کے ہاں نہیں گئی تھی۔ میں پُر اُمید کہ میں پُراسرار شخص یوحنا

اصطباغی کے بارے میں جان سکوں گی۔ تاہم ابھی تک میں اُس خوف کی گرفت میں تھی، کہ یہ کہیں محض جواب دینے والوں کا اثر رسوخ ہی نہ ہو۔ ایک مسیحی مشنری سے میری ملاقات کے بارے میں رشتہ دارکیا سوچیں گے۔ مثال کے طورپر میں نے اپنے دادا کے بارے میں سوچا جوافغانسان سے جنگوں میں مشہور انگریز جنرل نکلسن کے ہمراہ تھے۔ یہ ملاقات میرے خاندان پرکس قدر بے عزتی کا باعث ہوسکتی ہے۔ ہماری نگاہ میں مشنری کی کوئی خاص قدرومنزلت نہ تھی۔میں نے تصورات میں اپنے انکل اورآنٹی سے گفتگو کی اوراپنے جانے کا مقصد اورمُدھا بتایا۔ اورنتیجہ پرپہنچی جوایسے خواب دیکھے گا وہ اُن کا مفہوم معلوم کرنے کے لئے ہرجگہ جاسکتا ہے۔

میں شام کے دھندلکے میں مچل کے گھرپہنچی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد مجھے مچل کا بنگلہ مل گیا۔ یہ چھوٹا سا فرسودہ بنگلہ تھا۔ چاروں طرف شہتوت کے درخت تھے۔ دوسروکی نظر سے بچنے کے لئے حفاظتی اقدام کے طورپر میں نے کاربنگلہ سے کچھ دورپارک کرنے کے بارے میں سوچا۔ پھرمجھے خیال گزرا کہ میں اپنے خاندان سے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ہراساں ہوں۔ پس میں نے کارمچل کے گھر کے سامنے کھڑی کردی۔بائبل اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے جلدی سے میں مچل کے گھرمیں داخل ہوگئی۔ صحن اوربرآمدہ خوف صاف ستھرا تھا اچانک دروازہ کھلا اورکچھ دیہاتی خواتین شلوار قمیض میں ملبوس گفتگو کرتی ہوئی برآمد ہوئیں۔ میں خوف سے لرزگئی۔ یقیناً اُنہوں نے مجھے پہچان لیا ہوگا۔ اب ہرجگہ چرچاہوگا کہ بیگم ایک مسیحی مشنری سے ملاقات کوگئی۔ جونہی اُن عورتوں نے دروازے سے آئی ہوئی روشنی میں مجھے دیکھا میرے وسوسوں کے عین مطابق خاموش ہوگئیں اور مجھے سلام کرتی ہوئی گلی میں داخل ہوگئیں۔ اس کے بغیرکوئی چارہ نہ تھاکہ میں اُس دروازہ کی جانب جاؤں جہاں مسز مچل کھڑی شام کے دھندلکے میں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میں نے اُسے قصبہ میں پہلے بھی کہیں دیکھا تھا۔ امریکن ہونے کے باوجود دیہاتی عورتوں کی طرح وہ شلوارقمیض پہنے ہوئے تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ بڑی کشمکش میں اُس نے کہنا شروع کیا، آئیے آئیے بیگم شیخ! میں خوش

تھی کہ میں دروازہ کے اندر ہوں اوردیہاتی عورتیں اب مجھے دیکھ نہیں رہیں۔ مجھے کمرے میں لے جاکر کرسی پربٹھادیا۔ اورخود کھڑی اپنے ہاتھ ملتی رہی۔ میں نے دائرے میں پڑی کرسیوں پرنگاہ کی ۔ مسزمچل نے بتایاکہ میں ابھی دیہاتی عورتوں کوبائبل پڑھارہی تھی۔ جھجکتے ہوئے اُس نے مجھ سے پوچھا آپ چائے پئیں گی؟میں نے جواب دیا نہیں۔شکریہ میں ایک سوال کا جواب ڈھونڈھنے آئی ہوں۔ادھر اُدھر دیکھ کر میں نے پوچھا کیا پادری مچل گھر میں ہیں مجھے یہ سن کر افسوس ہواکہ وہ افغانستان گئے ہوئے ہیں۔ مجھے شک تھاکہ کیا یہ نوجوان خاتون میرے سوالوں کا جواب دے سکے گی؟ میں نے مسزمچل سے کہا آپ خدا کے بارے میں کچھ جانتی ہیں؟ وہ کھڑکی کے قریب کرسی پربیٹھ کر اجنبی نگاہوں کے ساتھ مجھے دیکھنے لگی۔ کمرہ میں صرف جلتی ہوئی آگ کا مدھم سا شورتھا۔ پھروہ کہنے لگی کہ میں خدا کے بارے میں تواتنا نہیں جانتی مگرخدا کو جانتی ہوں۔ کیا غیر معمولی سا جواب تھا۔ وہ یہ کیونکر کہہ سکتی تھی کہ وہ خدا کو جانتی ہے۔ اس خاتون کے اعتماد سے میرا اعتماد بھی کچھ بڑھ گیا۔

اس سے پہلے کہ میں یہ معلوم کروں کہ یہ سب کیا ہورہا ہے۔ میں انجانے میں اُسے اپنے سپنے بتارہی تھی کہ کیونکر حضرت مسیح اوریوحنا اصطباغی مجھے ملے۔ بتاتے وقت میں اسی طرح جذباتی تھی ، جس طرح پہاڑ پر یوحنا اصطباغی کےساتھ قدرے آگے کی جانب جھکتے ہوئے میں مسزمچل سے مخاطب ہوکر کہنے لگی کہ میں نے حضرت مسیح کے بارے میں توسنا ہے۔مگریہ یوحنا اصطباغی کون ہے؟ مسزمچل نے بے چین نگاہوں سے مجھے دیکھا ۔میں نے محسوس کیاکہ وہ مجھ سے یہ استفسارکرنا چاہتی تھی کہ کیا واقعی آپ نے اس سے پہلے یوحنااصطباغی کا نام نہیں سنا؟ مگرسوال کئے بغیر ہی وہ سیدھی ہوکر کرسی پربیٹھ گئی اور کہنے لگی :

بیگم شیخ! یوحنا اصطباغی ایک پیغمبر تھے جن کا کام مسیح کی آمد کی خبردینا تھا وہ لوگوں کو بدی سے توبہ کی تعلیم دیتے تھے۔ یوحنا ہی نے مسیح کی طرف اشارہ کرکے کہا تھاکہ دیکھو" خداکا برہ جوجہان کے گناہ اٹھائے لے جاتا ہے۔ اسی نے مسیح کو بپتسمہ بھی دیا۔

بپتسمہ کے لفظ پرمیرا دل اُچھل پڑا۔ مجھے ان مسیحیوں کا تھوڑا سا علم تھا۔ لیکن تقریباً سب مسلمانوں نے بپتسمہ کی عجیب رسم کے بارے میں سنا ہوا ہے۔میرے ذہن میں اُن بہت سے لوگوں کا خیال آیا جن کوبپتسمہ لینے کے سبب سے قتل کردیا گیا۔ اوریہ ہوا بھی برطانوی راج میں جبکہ مذہبی آزادی میسر تھی۔ بچپن سے یہ دوحقائق میرے ذہن کی تختی پرنقش تھے کہ جونہی ایک مسلمان نے بپتسمہ لیا اُسے ہی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ میرا نام پکارتے ہوئے مسزمچل نے مجھے یاددلایا کہ ہمیں خاموش بیٹھے ہوئے کتنی دیر ہوگئی ۔بڑی مشکل سے میں نے کہا مسزمچل! تھوڑی دیر کے لئے بھول جاؤ کہ میں مسلمان ہوں۔ مجھے بتائیے۔کہ جب آپ نے کہا کہ" میں خدا کو جانتی ہوں"۔ تواُس سے آپ کا کیا مطلب تھا؟ جواب میں مسزمچل نے کہا" میں یسوع کو جانتی ہوں" اورمیں جانتی تھی کہ اپنے خیال کے مطابق وہ میرے سوال کا جواب دے رہی تھی۔پھروہ بیان کرنے لگی کہ انسانی روپ میں آکر کیونکر خدا نے گنہگارانسان اوراپنے درمیان جدائی کی دیوارکوہٹادیا۔ صلیب پر ہمارے لئے مرکریسوع نے یہ کام کیا۔ کمرے میں پھر سکوت چھاگیا۔ باہر سے ٹریفک کے گزرنے کی آوازآرہی تھی۔ مسزمچل کم گوتھی۔ بالآخر غیرمتوقع طورپریہ کہتے ہوئے میں نے سکوت توڑڈالا کہ مسز مچل کچھ دیر سے ہمارے گھر میں عجیب واقعات رونما ہورہے ہیں۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ اچھی اوربُری روحوں کے درمیان تصادم ہے۔ مجھے ہرطرح کی مدددرکا ہے۔

کیاآپ میرے لئے دعاکریں گی؟ میری اس خواہش پروہ خاتون حیران رہ گئی۔ اوراپنے خیالات کوسمیٹتے ہوئے کہنے لگی" کیا آپ دعا کے لئے کھڑی ہونا یا گھٹنے ٹیکنا پسند کریں گی۔میں ایک الجھن میں تھی۔ میں اس سب کے لئے تیارنہ تھی۔ مگراُسے دوزانوں دیکھ کر میں نے بھی دعا کے لئے گھٹنے ٹیک دئیے۔ مسزمچل دھیمی آوازمیں یوں دعاکرنے لگی" اے خدا تعالیٰ کے روح میں جانتی ہوں کہ کہنے پر سچ کیا ہے۔ مسز شیخ قائل نہیں ہوسکتی۔ مگرمیں تیرا شکرکرتی ہوں کہ توہماری آنکھوں سے پردہ ہٹاکر یسوع کوہمارے دلوں پرظاہرکرسکتا ہے۔ روح پاک بیگم شیخ کے لئے یہ کرآمین۔

بالآخر مسز مچل اورمیں گھٹنوں سے اٹھیں اور مسز مچل نے میرے ہاتھ میں کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا بیگم شیخ ! کیا یہ بائبل ہے؟میں نے کتاب اُسے دکھائی پوچھنے لگی کہ آپ کو اس سے کچھ ملا۔ جوآپ پڑھتی ہیں کیا آپ کواس کی سمجھ آتی ہے؟ میں نے کہا کوئی خاص نہیں۔یہ ایک پرانا ترجمہ ہے۔ اورمیری سمجھ سے باہر ہے۔ وہ ساتھ والے کمرے میں گئی اورایک کتاب اٹھالائی۔یہ جدید انگریزی ترجمہ ہے۔ یہ فلپس کا ترجمہ ہے۔ میں دوسروں کی نسبت اسے زیادہ آسان سمجھتی ہوں۔ کیا آپ اسے پسند کریں گی؟ میں نے کتاب اُس کے ہاتھ سے لے لی۔ اوراُس نے کا کہ یوحنا کی انجیل سے شروع کردو۔ اُس نے کتاب کھول کر وہاں نشان کے طورپر کاغذ رکھ دیا۔ یہ ایک اوریوحنا ہے۔ مگریہ یوحنا اصطباغی کے کام کوبہت صفائی سے بیان کرتا ہے ۔ میں شکریہ کہتے ہوئے اٹھی۔ کہاکہ اب میں چلتی ہوں میں نے آپ کا بہت سا وقت لیا ہے۔

مسز مچل نے کہا کہ یہ دلچسپ بات ہے کہ ایک خواب آپ کواِدھر لے آیا۔ خدا اکثر اپنے بچوں کے ساتھ خواب اورروپا میں بات کرتا ہے۔ جب وہ مجھے کوٹ پہنانے میں میری مدد کررہی تھی تومجھے خیال گذرا کہ کیا یہ مناسب ہے کہ میں اپنا دوسرا خواب بھی اُسے بتاؤں۔ وہ جوکہ عطر فروخت کرنے والے کے بارے میں تھا۔ یہ غیر معمولی سا لگتا تھا۔ مگرجیسے کئی بار پہلے ہوچکا تھا۔ اس شام میں عجیب طورپر دلیر تھی۔ میں جانتی تھی کہ کوئی طاقت مجھے حیرت دلارہی تھی۔میں نے پوچھا مسز مچل ۔ کیاآپ بتاسکتی ہیں کہ مسیح اورعطر میں کوئی تعلق ہے۔ ایک لمحہ غورکرنے کے بعد کہنے لگی کہ میرا خیال ہے کہ کوئی نہیں۔ تاہم مجھے اُس سے متعلق دعاکرنے کا موقع دیں۔ گھر کی جانب آتے ہوئے دوسری دفعہ مجھے اس مہک کا تجربہ ہوا۔اُس رات گھر پہنچنے پر میں نے یوحنا کی انجیل کاوہ حصہ پڑھا ۔ جہاں یوحنا کی انجیل کا مصنف یوحنا اصطباغی کا ذکرکرتا ہے۔ یہ اجنبی شخص اونٹ کے بالوں کالباس پہنے بیابان میں رہتا تھا۔اورلوگوں کوخداوند کی راہ تیارکرنے کی منادی کرتا تھا۔ اپنی خواب گاہ میں بیٹھے ہوئے مجھے خیال گذرا کہ یوحنا اصطباغی جوخدا کی طرف سے مسیح کی نشاندہی کرنے والا

تھا کیا یہ وہی شخص تونہیں جومجھے مسیح کی طرف لا رہا ہے اس خیال کو رد کرتے ہوئے میں سوگئی ۔

اس رات میں گہری نیند سوئی ۔ مگر جوں ہی موذن نے نماز کیلئے بلایا اورمیری آنکھ کھلی تومیں واقعات کوپھر صفائی سے دیکھنے لگی۔ رات بھر میں کس قدرگھٹیا خیالوں میں پڑی رہی تھی۔مگراب جب کہ موذن نے مجھے یاددلایا کہ حقیقت کہا ں ہے کہ تومیں اپنے آپ کو بے چین کرنے والے مسیحی تاثرات سے محفوظ سمجھنے لگی۔ اسی وقت ریشم اندر داخل ہوئی۔ مگروہ چائے نہیں بلکہ ایک رقعہ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھی۔ کہنے لگی ک ابھی ابھی آیا ہے۔

یہ مسز مچل کی طرف سے تھا۔ لکھا ہوا تھاکہ دوسرا کرنتھیوں دوسرا باب اورچودھویں آیت پڑھو۔ تھوڑی دیر تلاش کرنے کے بعد آیت مجھے مل گئی۔اسے پڑھنے پر میں حیران رہ گئی ۔ لکھا تھا جومسیح میں ہم کو ہمیشہ اسیروں کی طرح گشت کراتا ہے اوراپنے علم کی خوشبو ہمارے وسیلے سے ہرجگہ پھیلاتا ہے۔ میں نے بستر پر بیٹھے ہوئے حوالے کودوبارہ پڑھا۔

جوخیالات ایک منٹ پہلے مرتب ہوئے تھے وہ درہم برہم ہوگئے سچ کا علم خوشبو کی مانند پھیلتا ہے۔ خواب میں عطرف فروخت کرنے والے نے سنہری مرتبان میرے بستر کے قریب میز پررکھے ہوئے کہا تھا کہ اس عطر کی خوشبو ساری دنیا میں پھیلے گی۔ دوسری صبح عین اُسی جگہ میں نے بائبل پڑی پائی تھی، جہاں مرتبان رکھا گیا تھا۔

یہ سب روزِ روشن کی طرح عیا ں تھا اورمیں اس پر غورکرنا نہیں چاہتی تھی۔ روزمرہ کے معمول کے مطابق میں نے چائے منگوانے کے لئے گھنٹی دی اس معاملہ میں کھوجانا نہیں چاہتی تھی۔

اگرچہ مسز مچل نے مجھے دوبارہ آنے کی دعوت دی تھی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ نہ جاؤں ،مصلحت کے پیش نظر میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ میں خود بائبل کی تفتیش کروں گی۔تاہم ایک سہ پہر نورجہاں میرے کمرے میں دوڑتی ہوئی آئی۔ اُس کی آنکھوں سے حیرانگی ٹپک رہی تھی گھٹی گھٹی آوازمیں کہنے لگی مسٹراورمسزمچل آپ سے ملاقات کوآئے ہیں میں حیران تھی کہ وہ ادھر کیونکر آگئے۔ تاہم اپنے آپ

کوسنبھالتے ہیں ہوئے میں ملازمہ سے کہا کہ اُنہیں ڈرائینگ روم میں بٹھاؤ۔ مسٹر مچل کی طبیعت اپنی بیگم کی مانند بڑی پرخلوص اورملنساردکھائی دیتی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کراس قدر خوش ہوئے کہ میں اپنی بے قراری بھول گئی۔ مسز مچل ہاتھ ملانے کی بجائے بڑے پیارسے مجھے گلے ملی۔ میں حواس باختہ رہ گئی۔ میرے خاندان کے سی قریبی دوستوں میں سے کسی نے کبھی مجھے اس طرح گلے نہیں لگایا تھا۔میں سردمہری سے پیش آئی۔ مگریوں لگتا تھا کہ مسز مچل اس سے بالکل متاثر نہ ہوئی۔

ماضی کی یادوں کے پیش نظر مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا کہ اس پُرتپاک ملاپ سے میں خوش تھی۔ اب ملاپ میں بناوٹ نہیں تھی اپنے خوش مزاج امریکی لہجہ میں ڈیوڈ مچل نے کہا "پھولوں والی خاتون" آپ کو مل کر خوشی ہوئی۔ میں نے مسز مچل پرنگاہ کی اورہنستے ہوئے کہنے لگی کہ ضروری ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ جب آپ ہمارے گھر تشریف لائیں تومیں نے ڈیوڈ کواسی وقت بذریعہ تاراس کی خبردینا چاہی تھی۔ کیونکہ جب سے موسم بہارمیں ہم نے آپ کا باغیچہ دیکھا تھا، آپ کا ذکر خیر ہوتا رہتا تھا۔ تاہم میں آپ کا اصلی نام استعمال کرنے سے ڈرتی تھی۔ تاکہ آپ محفوظ رہیں۔ میں سوچ تھی رہی تھی کہ تارمیں آپ کا نام کیونکر بیان کیا جائے۔ میں نے کھڑکی سے اُن پھولوں پر نگاہ کی جن کا بیج آپ کے مالی نے دیا تھا۔ اورمیرے ذہن میں یہ نام آیا" پھولوں والی خاتون" آپ مجھے بلقیس کہہ کرپکارسکتی ہیں اوروہ کہنے کہ آپ مجھے سینو کہہ کر پکارسکتی ہیں۔ عجیب ملاقات تھی مجھے گمان تھاکہ اپنے مذہب کوقبول کرنے کے لئے وہ مجھ پر دباؤ ڈالیں گے۔ کوئی ایسی بات نہ ہوئی ۔ چائے پیتے وقت ہم بات چیت کررہے تھے۔ مجھے آپ کے یسوع کو خدا کا بیٹا کہنے پر اعتراض ہے ۔ مسلمانوں کے لئے یہ کہنا گویا گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن میں بار بار آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کوئی اولاد نہیں۔ اوریہ تثلیث ایک مسئلہ ہے ۔ کیا تین خدا ہیں؟ جواب میں ڈیوڈ نے خدا کو سورج سے تشبیہ دی یعنی سورج میں تین طرح کی قوتیں ہیں۔ مثلاً حرارت، روشنی، اورتابانی ۔ تینوں کے ملاپ سے سورج بنتا ہے۔ اورپھر تھوڑی دیربعد وہ رخصت ہوگئے۔

پھر کئی روز تک میں تنہائی میں بائبل اورقرآن کے مطالعہ میں مصروف رہی۔ میں قرآن کواپنی زندگی سے وابستہ وفاداری کے طورپر پڑھتی تھی اوراپنی باطنی بھوک کومٹانے کے لئے بائبل کا مطالعہ کرتی تھی توبھی کبھی کبھار میں بائبل کوپکڑنے سے گریز کرتی تھی۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچی کہ دونوں کتابیں مختلف ہیں کیونکہ دونوں کے پیغمبروں میں اختلاف تھا۔لیکن جب میں بائبل پکڑنے جھجک محسوس کرتی جومجھے مسز مچل نے دی تھی تومیں اجنبی طورپر محسوس کرتی کہ میں کسی کی بے قدری کررہی ہوں۔

گذشتہ ہفتے میں ایک حسین دنیا میں رہی تھی۔ پس ایک ایسے باغیچہ میں نہیں تھی۔ جومیرے گھر میں لگا تھا۔ بلکہ ایک نادیدہ باغیچہ تھا جونئی روحانی پہچان میں میرے باطن میں لگا تھا۔ اس حسین نگری میں اولین میں اپنے دوخوابوں کے وسیلہ سے داخل ہوئی تھی۔ اورپھر میں اس دنیا سے دوبارہ اُس رات دوچار ہوئی۔ جب مں نے اپنے باغیچہ میں بے بیان جلالی حضوری دیکھی۔ اورمیں نے اسے دوسری دفعہ اس وقت پہچانا جب میں نے اشارہ کی فرمانبرداری کی جومجھے کھینچ کرمچل کے گھر لے گیا۔

لگے چند دنوں میں آہستہ آہستہ اورصفائی سے میں نے معلوم کرنا شروع کردیاکہ اپنی حسین دنیا میں لوٹ آنے کی کوئی راہ ہے۔ اوراس مسیحی کتاب کا مطالعہ کرنے سے یوں لگتا تھاکہ میں دوبارہ اپنی حسین دنیا میں آنے کی کلید کو حاصل نہ کرسکوں گی۔ پھرایک روزننھا محمود اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے میرے پاس آیا۔ درد سے چلاتے ہوئے اُس نے کہا ممی میرے کان! میں نے جھک کر بڑی احتیاط سے اس کا معائینہ کیا۔ اس کا رنگ پیلا پڑگیا اگرچہ محمود ایسا بچہ نہیں تھا جوشکایت کرے۔ میں اُس کے چہرے پر بہتے ہوئے اشک دیکھ رہی تھی۔میں نے اسے بستر پر لٹادیا۔ اوراُس کے بالوں کوسہلاتے ہوئے اُسے سلانے لگی۔ اورپھر جب وہ سوگیا تومیں نے روالپنڈی میں ہولی فیملی ہسپتال ٹیلیفون کیا۔ ایک منٹ بعد ٹونی فون پر تھی۔ وہ اس بات پر رضامند ہوئی کہ اگلی صبح بعد ازدوپہر محمود کا پورامعائنہ کیا جائے گا۔ میں محمود کے ساتھ کمرے میں ٹھہر سکوں گی اورملازمہ ساتھ

کے چھوٹے کمرے میں۔ شام تک جگہ کا انتظام کرلیا گیا۔ ٹونی شام کو ڈیوٹی پر نہیں تھی۔ اوراُس نے وہ وقت ہمارے ساتھ بسرکیا۔جلد ہی محمود اوراُس کی امی کسی تصویر میں رنگ بھرکرآپس میں خوش ہورہے تھے۔ محمود جس کتاب میں رنگ کررہا تھا وہ اُس کی ممی نے اُسے دی تھی۔ میں ٹیک لگاکر اپنے بستر میں بیٹھے بائبل کے مطالعے میں مشغول تھی۔ میں قرآن بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔ مگراب تک میں قرآن کومحض ایک مذہبی فرض سمجھ کر پڑھتی تھی۔ اچانک کمرے کی روشنی چمکی اورگل ہوگئی۔ بجلی فیل ہوجانے سے کمرہ تاریک ہوگیا۔ میں نے کسی کوموم بتی لانے کو کہا۔ایک منٹ میں ایک نن اپنے ہاتھ میں مشعل لئے ہوئے اندرداخل ہوئی۔ خوش مزاجی سے اُس نے کہا مجھے اُمید ہے کہ آپ خفا نہیں ہوں گی۔ بہت جلدکچھ موم بتیوں کا انتظام کردیا جائے گا۔ میں نے اُسے پہچان لیا۔ وہ ڈاکٹر سنیٹی آگوتھی۔ وہ دبلے بدن کی تھی اورچشمہ لگاتی تھی۔ یہ فلپائنی ڈاکٹر سارے ہسپتال کی انچارج تھی۔

ہم ایک بارپہلے بھی ایک دوسرے سے ملی تھیں۔ جلد ہی ایک اورنن ہاتھ میں موم بتی لئے ہوئے آگئی۔ روشنی سے کمرہ جگمگااٹھا۔ محمود اورٹونی اپنی باتوں میں مگن تھے۔ اورمیں ڈاکٹر سینٹی آگوسے گفتگو کرتی رہی۔وہ میری بائبل کوغور سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر میں آپ کے پاس بیٹھ سکتی ہوں؟ ڈاکٹر سینٹی آگو کہنے لگی۔ یہ سوچتے ہوئے یہ محض دلجوئی ہے میں نے کہا بڑی خوشی سے۔ وہ میرے بستر کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی۔ اپنے چشمے اتارکر اپنی آنکھوں کورومال سے صاف کرتے ہوئے گفتگوکرنے لگی۔ میرا دل اُس کے لئے کھلا تھا۔ مسلمان ہمیشہ ایسی مقدس خواتین کی قدرکی نگاہ سے دیکھتے ہیں جودنیا کوترک کرکے اپنے خدا اورعقیدہ کی خدمت کرتی ہیں۔ ہوسکتاہے اُن کا عقیدہ صحیح نہ ہو۔ لیکن ان کا خلو ص ایک حقیقت تھا۔ بات چیت کے دوران میں بتاسکتی تھی کہ اس خاتون کے ذہن میں کچھ ہے۔ یہ بائبل تھی۔ سوالیہ نگاہوں سے میں نے اُسے بائبل کوتکتے دیکھا تھا۔آخرکاروہ آگے کی طرف جھکی اوربڑے ر اعتماد لہجہ میں پوچھا۔ بیگم شیخ آپ کا بائبل سے کیا کام

ہے۔ میں نے جواباً کہا کہ میں خلوص سے خدا کی تلاش میں ہوں اورپھر پہلے توقدرے جھجک کے ساتھ مگر بعدمیں دلیری سے اپنی اورمچل کی ملاقات کا تذکرہ کیا اوراپنے قرآن اوربائبل کے تقابل کے بارے میں بھی بتایا۔ میں نے کہا چاہے کچھ بھی ہومیں خدا کی تلاش کرکے رہوں گی۔ مگرمیں آپ کے عقیدہ سے کچھ شش وپنج میں ہوں۔ میں پہچان رہی ہوں۔ اس گفتگو میں کسی اہم بات کوچھورہی ہوں۔ مجھے معلوم نہیں آپ خدا کو اس قدرشخصی کیوں سمجھتے ہیں۔ نن کی آنکھوں سے الفت ٹپک رہی تھی۔ آگے کی طرف جھکتے ہوئے اُس نے کہا بیگم شیخ! ہم ایسے کیوں محسوس کرتے ہیں۔ اُسے جاننے کا بس ایک ہی راستہ ہے اوروہ یہ کہ آپ خود اُسے پرکھیں۔ اُس کے لہجہ میں جذبات کا رنگ تھا۔ ہوسکتا ہے؟ یہ آپ کوعجیب دکھائی دے مگرآپ کواپنا راستہ دکھائے۔ اُس سے ایک عزیز کی حیثیت سے بات کریں۔ میں اس خیال سے کہ وہ کہیں مجھ سے تاج محل سے بات کرنے کی تجویز نہ پیش کردے۔

تب ڈاکٹر سینٹی آگو نے ایسی بات کہی جس سے بجلی سی میرے بدن میں دوڑگئی۔ کچھ اور قریب آتے ہوئے اورمیرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے جبکہ اس کی آنکھوں سے آنسورواں تھے۔ خاموش لہجہ میں بولی" خدا سے بات کرو۔ اُس سے یوں بات کروکہ گویا کہ وہ آپ کا باپ ہے۔ میں جلدی سے سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔ موت کا سایہ سکوت کمرے میں چھاگیا۔ ٹونی اورمحمود کی گفتگو ان خیالوں میں حائل ہوگئی۔ میں نے بڑے غورسے شمع کی روشنی میں نن کی آنکھوں میں جھانکا۔ کیا میں خدا سے یوں بات کروں گویاکہ وہ میرا باپ ہے! اس خیال سے عجیب طورپر میری روح لرزگئی۔ یہ حقیقت ایک ہی وقت میں چونکا دینے والی اورقراردینے والی تھی۔

پھراچانک گویا ہرایک نے گفتگو کا آغاز کردیا۔ ٹونی اورمحمود ہنستے ہوئے تصویر میں رنگ بھرنے لگے۔ ڈاکٹر سینٹی آگو مسکراتی ہوئی اٹھی اورہمیں خدا حافظ کہتے ہوئے چلی گئی۔

دعا اور مسیحیت سے متعلق نذیز کچھ نہ کہا گیا تھا تو بھی میں نے کروٹیں لیتے ہوئے رات کاٹی۔ اوراگلی صبح میں پریشان تھی۔ یہ یہاں آنے کا تجربہ اوربھی پُراسراربن گیا جب ڈاکٹر معائنہ کے دوران کانوں میں کوئی خرابی معلوم نہ کرسکے اورمحمود کہنے لگاکہ اُس کے کانوں میں ذرابھی دردنہیں۔

پہلے تومیں اُس سارے انتظام اوروقت ضائع کرنے کے سبب سے پریشان ہوئی پھرمجھے خیال گذرا کہ شائد کبھی پُراسراراندازمیں خدا کا یہ انتظام تھاکہ میری ملاقات ڈاکٹر سینٹی آگوسے ہو۔ دوسری صبح منظورہمیں گاڑی میں واہ لے آیا۔ جونہی وہ شاہراہ سے ہوتاہوا گلی میں آیا۔ میں درختوں سے اپنے گھر کی مٹیالے رنگ کی چھت کو دیکھ سکتی تھی۔ معمول کے مطابق میں گھر کودنیا میں سکھ کا مرکز سمجھتی تھی۔مگرآج گھر بھی مختلف تھا۔ یوں لگتا تھا کہ وہاں آج میرے ساتھ کوئی خاص واقعہ رونما ہونے والا ہے۔

گھر پہنچنے پر منظور نے کارکھڑی کرکے ہارن دیا۔ نوکر دوڑتے ہوئے آئے۔ اورمحمود کے بارے میں پوچھنے لگے۔ میں نے اُنہیں یقین دلایاکہ محمود ٹھیک ہے۔ مگرمیرا ذہن گھرآنے کی خوشیوں میں نہیں تھا۔ بلکہ میری خوشی کا سبب خدا کونئے اندازسے جاننے میں تھااپنی خواب گاہ میں آکرمیں نے تمام واقعات پر غوروفکر کیا۔ میں نے خیال کیاکہ کوئی مسلمان اللہ کوباپ نہیں کہتا۔ بچپن ہی سے مجھے بتایا گیا تھا کہ اللہ کوجاننے کا سب سے یقینی طریقہ یہ ہے کہ پانچ وقت نمازادا کی جائے اورقرآن پڑھ کراُس پر دھیان کیاجائے توبھی ڈاکٹر سینٹی آگو کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے" خدا سے بات کرو"۔ اُس سے یوں گفتگو کروگویاکہ وہ آپ کا باپ ہو۔اپنے کمرے میں گھٹنوں کے بل خدا کوباپ کہنے کے سعی کی مگر لاحاصل ۔ میں مایوسی کے بوجھ تلے دبی جارہی تھی۔ خدا کوباپ کہنا میرے نزدیک اُس کی بے عزتی تھی۔ایک گنہگارانسان اپنے خالق کوکیونکرباپ کہہ سکتا ہے۔ خیالات کی جس رسہ کشی میں ،میں اس رات سوئی اُس کا تجربہ مجھے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

آنکھ کھلنے پرمعلوم ہواکہ نصفِ رات بیت گئی ہے۔ بارہ دسمبرکا یہ روزمیرا جنم دن تھا۔آج میں ۴۷ برس کی تھی۔

مگرپہلے کی طرح اس دن کودھوم دھام سے نہیں منایا جائے گا۔شائد چند فون آئیں گے اوربس۔۔۔۔۔ بچپن کی حسین یادیں میرے روبرو تھیں۔ میں نے اپنے والدین کے بارے میں سوچا میرے لئے یہی سب سے بھلی سوچ تھی۔ میری ماں پُروقارپُرالفت اورحسین تھی۔ مجھے اپنے باپ پربہت مان تھا۔ ہندوستان کی حکومت میں وہ اعلیٰ عہدے پر تھے۔ میں ابھی تک تصورمیں ان کی سج دھج دیکھ سکتی تھی۔ دفتر جانے سے پہلے کیونکر وہ آئینہ میں اپنی پگڑی درست کرتے تھے۔ ان کے نقش تیکھے تھے اورچہرے پر مسکراہٹ کھِلی رہتی تھی۔انہیں مطالعہ میں مگن دیکھنے کی یادمجھے بھلی لگتی تھی۔

ایسے معاشرے میں بھی جہاں لڑکوں کولڑکیوں سے زیادہ وقعت دی جاتی ہے۔ میرا باپ کوئی فرق روا نہیں رکھتا تھا۔ اکثرایک چھوٹی لڑکی کی حیثیت سے میں اُن سے سوال پوچھا کرتی تھی۔ میں اُن کے دفترمیں جھانکا کرتی تھی۔ اُن کے کام میں مداخلت کرنے سے مجھے جھجک نہیں آتی تھی۔ اُن کی نگاہیں اکثرمجھے پکڑلیتی تھیں۔ اپنا قلم نیچے رکھتے ہوئے وہ اپنی کرسی پرسیدھے ہوکر بیٹھ جاتے اورپکارتے " کیکا" !آہستہ آہستہ سرجھکائے ہوئے میں اُن کے پاس سے جانے لگتی۔ وہ مسکراتے ہوئے اپنے پاس پڑی کرسی پر تھپکی مارکر کہتے پیاری بیٹی آؤ بیٹھو۔ پھروہ اپنے بازو سے مجھے گلے لگاتے اور بڑے نرم لہجے میں کہتے " ننھی" کیکا" اب میں آپ کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔ میرے والد کا ہمیشہ مجھ سے یہی سلوک ہوتا تھا۔ وہ میری مداخلت سے خفا نہیں ہوتے تھے۔ جب کبھی میرا کوئی سوال یا مسئلہ ہوتا وہ اپنی مصروفیات کوبالائے طاق رکھتے ہوئے مجھے اپنی ساری توجہ دیتے۔

رات آدھی سے زیادہ گزرچکی تھی میں بستر پر پڑی ان حسین یادوں سے لطف اندوزہورہی تھی۔ میں نے کہا" اے اللہ تیرا شکر ہو" یکایک مجھے خیال آیاکہ میں بات کررہی ہوں؟ اُمید کی ایک کرن دکھائی دی۔ فرض کروکہ اللہ تعالیٰ باپ کی حیثیت رکھتے ہیں اب اگرمیرا جسمانی باپ میری بات سننے کے لئے پوری توجہ دے سکتا تھا توکیا میراآسمانی باپ میری طرف متوجہ نہ ہوگا! جذبات سے مغلوب ہوکرمیں بسترسے اٹھ بیٹھی۔ زمین پرگھٹنوں کے بل دوزانوں ہوگئی۔ آسمان کی طرف نگاہ کی اوراُس نئی سمجھ بوجھ کے ساتھ اللہ تعالیٰ

کوباپ کہہ کر پکارا جس طرح مجھے جواب ملا اس کے لئے میں تیار نہ تھی۔

پانچواں باب

"چوراہے"

اے باپ! میرے باپ کہتے ہوئے میں نے قدر جھجک سے اونچی آواز میں خدا کو باپ کہا۔ اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کے لئے میں نے مختلف طریقے آزمائے اورپھر گویا کہ میرے باطن کے بندھن ٹوٹنے لگے اورمجھے حقیقت میں یہ یقین ہونے لگاکہ جس طرح میرا جسمانی باپ ہمیشہ میری سنتا تھا اسی طرح آسمانی باپ میری سن رہا ہے۔

مزیز اعتماد کے ساتھ میں نے اللہ تعالیٰ کوباپ کہہ کر پکارا بستر کے قریب اس بڑے کمرے میں دعا کرتے وقت میری آواز معمول سے قدر بلند تھی۔ یکایک مجھے خدائے تعالیٰ کی حضوری کمرے میں محسوس ہوئی۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی پیار سے میرے سر پر ہاتھ رکھ رہا ہو۔یوں لگتا تھا کہ میں اُس کی رحم اوراُلفت سے لبریز آنکھوں میں جھانک کردیکھ سکتی ہوں۔ میں گویا ایک چھوٹی بچی کی مانند اپنے باپ کے قدموں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسی حالت میں کافی دیر تک میں اُسکی محبت کے بے بیان بحر میں بہتی رہی۔ میں اُس

سے بات کرہی تھی ۔ میں اس بات کےلئے اُس سے معافی کی خواستگار تھی۔ اسے پہلے کیوں نہ جان سکی؟ ایک بار اوراُس کی الفت کی لہر نے مجھے چھوکر گرمادیا۔

اب میں نے پہچانا کہ یہ وہی حضوری ہے ، جس سے میری ملاقات اُس بعد ازدوپہر اپنے باغیچہ میں خوشبو کی صورت میں ہوئی تھی۔ میں نے کہا اے باپ اچھا ہے کہ اس بات کا فیصلہ ابھی ہوجائے میں اپنے بستر کے قریب میز کی طرف گئی جہاں میں نے قرآن اوربائبل ساتھ ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ میں نے دونوں کتابوں کوپکڑا اوردونوں ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے اوپر کیا اور کہنے لگی" اے باپ!ان میں تیری کتاب کون سی ہے؟ پھرایک نمایاں بات وقوع پزیر ہوئی اس طرح میری زندگی میں کبھی پہلے نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ میں نے اپنے باطن میں ایک آوازسنی۔ ایک آوازجوایسی صاف تھی کہ میں اپنے ذہن کی باطنی حالت میں اُنہیں دہراسکتی تھی۔ وہ الفاظ تازہ اورمحبت سے بھرے ہوئے تھے۔ اورساتھ ساتھ اُن میں اختیارکا رنگ حاوی تھا۔

کون سی کتاب میں تم مجھے باپ کی حیثیت سے پاتی ہو؟ میں نے جواب دیا بائبل میں! اب میرا ذہن ایک طرف ہوگیا تھا۔

میں نے اپنی گھڑی پرنگاہ کی اوریہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ تین گھنٹے گزرچکے تھے توبھی میں تھکی نہیں تھی۔ میری خواہش تھی کہ دعا میں مشغور ہوں۔ میں بائبل کا مطالعہ کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اب میں جانتی تھی کہ اس کے وسیلے سے میرا باپ مجھ سے بات کرے گا میں صرف صحت ملحوظِ خاطر رکھتی ہوئی بستر میں گئی۔ اگلی صبح میں نے اپنی ملازمہ کوحکم دیا کہ جب تک میں نہ بلاؤں کمرے میں نہیں آنا۔ اورکسی طرح کی مداخلت نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے انجیل مقدس کوشروع سے پڑھنا شروع کردیا۔

میں متاثر ہوئی کہ کس طرح خدا نے متی کی انجیل کے پہلے حصہ میں ہی پانچ بارخوابوں میں کلام کیا۔ مریم کے لئے اُس نے یوسف سے کلام کیا۔ اُس نے مجوسیوں کوہیرودیس کے بارے میں خبردار کیا اورتین بارأس نے بچے یسوع کی حفاظت سے متعلق یوسف کو آگاہ کیا۔ مطالعہ بائبل کی بھوک

نہیں مٹتی تھی۔ بائبل میں خدا کے قریب لانے میں میری رہنمائی کررہی تھی۔

میں نے اپنے آپ کو ایک بڑے چوارہے پرکھڑے پایا۔ اب تک میں شخصی طورپر خدا باپ سے ہی واقف تھی۔ میں اپنے دل میں جانتی تھی کہ مکمل طورپر یا تو مجھے اُس کے بیٹے کے ہاتھ میں اپنے آپ کو سپرد کردینا ہوگا یا مکمل طورپر اس سے منہ موڑلینا ہوگا۔

اوریقینی طورپر میں جانتی تھی کہ میرے عزیزوں میں سے ہر ایک مجھے یسوع کوترک کردینے کی تلقین کرے گا۔ میرے ذہن کی سطح پر پُرانی یادیں تازہ ہورہی تھیں۔ مجھے وہ دن یادآرہا تھا جب میرے والد مجھے خاندانی مسجد میں لے کرگئے۔ ہمارے سوا وہاں اورکوئی نہ تھا۔ ہم مسجد کی عالیشان عمارت میں داخل ہوئے۔میرا ہاتھ تھامے ہوئے ابوجی نے فخریہ اندازمیں مجھے بتایاکہ ہمارے خاندان نے بیس پشتوں سے یہاں نمازپڑھی ہے۔ اورپھرسے یوں ہمکلام ہوئے۔ کس قدر عظیم مرتبہ ہے کہ تم اس قدیم حقیقت کاایک حصہ ہو۔

مجھے ٹونی کا خیال آیا۔ یقیناً یہ جواں سال خاتون پہلے ہی فکروں کے پہاڑتلے دبی ہوئی ہے۔ اورپھرمیرے دوسرے بچوں کا کیا ہوگا۔ اگرچہ وہ کافی فاصلے پر مقیم تھے۔ توبھی میرے مسیحی ہونے سے اُنہیں صدمہ ہوگا۔اورپھر مجھے انکل فتح کا خیال آیا۔ جس نے اُس روز مجھے بڑے فخر سے دیکھا تھا۔ جب میں چاربرس چارماہ اورچار روزکی تھی، اورتلاوتِ قرآن سیکھنا شروع کیا تھا۔ اورپھرمیری عزیز بیٹی آمینہ اوردوسرے رشتہ دارکیا سوچیں گے جن کی تعداد سوکے قریب تھی۔ میں بہت بڑی برادری کا ایک حصہ تھی۔ اورہرفرد دوسرے کی فلاح وبہبود کا ذمہ دار تھا۔ میں کئی پہلوں سے اپنے خاندان کے لئے نقصان کا باعث بن سکتی تھی۔ میں اپنے رشتہ داروں کی جوان لڑکیوں کی شادی میں خلل انداز ہوسکتی تھی۔ مسیحی ہونے کے سبب سے اُنہیں میرے اس فیصلے کے سائے میں زندہ رہنا پڑے گا۔

بایں ہمہ اپنے نواسے محمود کی طرف فکرمند تھی۔ اُس پرکیا بیتے گی۔ محمود کے والد کا خیال آتے ہی میرا دل ڈوب گیا ۔ وہ اپنی مرضی منوانے کا عادی تھا۔ میرے مسیحی

ہونے کے سبب سے مجھے غیر ذمہ وار قرار دے کر وہ محمود کو مجھ سے لے سکتا تھا۔ اس روز اپنے کمرے میں محو مطالعہ اور سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ اور یہ خیالات میرے دل کو بے قرار کئے ہوئے تھے۔ اچانک میں نے اُس درد کو محسوس کیا جس میں دوسروں کو مبتلا کر سکتی تھی۔ میں نے اسے اس قدرت شدت سے محسوس کیا کہ میں بے چینی میں اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے شال اوڑھی اور سردی کے موسم میں اپنے باغ میں چلی گئی جو گویا کہ میری پناہ گاہ تھی جہاں میں بہترین طور پر سوچ سکتی تھی۔

میں نے چلتے ہوئے کچھ اس طرح دعا کی "اے خداوند! کیا حقیقت میں تو چاہتا ہے کہ میں اپنے خاندان کو ترک کردوں؟" کیا خدائے محبت چاہتا ہے کہ میں دوسروں کو درد میں مبتلا کروں؟ اپنی سوچوں کے تاریک سائے میں خداوند کے وہ الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے جو میں نے ابھی متی کی انجیل میں پڑھے تھے "جو کوئی ماں باپ کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی بیٹی بیٹے کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں۔۔۔(متی ۱۰: ۳۷تا ۳۸)۔

یسوع کے الفاظ میں میانہ روی اور اپنے ساتھ کسی سے مقابلے کا عنصر نہیں تھا۔ اُس کے الفاظ دوٹوک تھے۔ جنہیں میں سننا پسند نہیں کرتی تھی۔ بہرصورت میں فیصلے کو بوجھ کی طوالت دینے کے مجاز نہیں تھی۔ میں نے جلدی سے گھر کے اندر آکر منظور کو بلا بھیجا اور ملازمہ کو اپنے اچانک راولپنڈی جانے کے فیصلے کے بارے میں بتایا۔ میں نے بتایا کہ میں چند روز کے لئے جارہی ہوں۔ اور میری ضرورت پڑنے پر آپ مجھے میری بیٹی کے گھر مجھ سے رابطہ قائم کرسکتی ہیں راولپنڈی پہنچ کر میں نے کئی روز شاپنگ میں بسر کئے۔یہ حیران کن بات نہیں تھی کہ اپنی جسمانی مصروفیات میں ،میں خداوند سے دور ہٹتی گئی۔ ایک جگہ جب ایک دوکاندار نے کپڑے میرے سامنے پھیلایا اور مجھے صلیب کی شکل دکھائی دی۔ دوکاندار پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے میں کچھ خریدے بغیر دکان سے چل دی۔ دوسری صبح میں واہ میں تھی ۔ میں کسی فیصلے کو نہ پہنچ سکی۔

پھرایک شام گھر میں آگ تاپتے ہوئے میں نے انجانے میں بائبل کواٹھایا۔ محمو دبستر میں تھا۔ میں ڈرائنگ روم روم میں خاموش بیٹھی تھی۔ کھڑکی سے ہوا کے جھونکے اورآگ کے ٹمٹمانے کے سوا کمرے میں سکوت طاری تھا۔ میں چاروں اناجیل اورسولوں کے اعمال کا مطالعہ کرچکی تھی۔ اس شب میں بائبل کی آخری کتاب تک پہنچ چکی تھی۔ اگرچہ اسے بہت کم سمجھتی تھی توبھی مکاشفہ کی کتاب سے میں بہت متاثر تھی۔ اجنبی سے اعتماد کے ساتھ یوں لگتا تھاکہ کوئی مجھے ہدایت کررہا ہے۔ اورپھریکایک میں ایک ایسے فقرہ تک پہنچی جس نے میری دنیا بدل دی۔ یہ مکاشفہ کے تیسرے باب کی بیسویں آیت تھی۔

"دیکھ میں دروازہ پر کھڑا ہوا کھٹکھٹاہوں ۔ اگر کوئی آواز سن کر دروازہ کھولے گا تومیں اُس کے پاس اندرجاکر اُس کے ساتھ کھاناکھاؤں گا اوروہ میرے ساتھ"۔

اوراُس کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ اوروہ میرے ساتھ! میں دم سادے بیٹھی تھی اورکتاب میری گود میں پڑی تھی۔ یہی میرا خواب تھا۔ ایک ایسا خواب جس میں یسوع میرے ساتھ کھانا کھارہا تھا! اُس وقت مجھے مکاشفہ نام کی کسی کتاب کا کوئی علم نہ تھا۔ اپنی آنکھیں موندھ کرمیں اُس خواب کی تصویر میں یسوع کواپنے روبرو میزپربیٹھے دیکھ سکتی تھی۔ اُس کی مسکراہٹ میں ،میں اپنے لئے اُس کی الفت کومحسوس کرسکتی تھی۔ اُس کے چہرے پرآسمانی باپ کا سا جلال تھا۔ اس کی حضوری میں یہ جلال تھا۔

اب مجھے معلوم ہوا کہ میری خواب خدا کی طرف سے تھی۔ راستہ صاف تھا۔ میں اُسے قبول کرسکتی تھی۔ یا اُسے ردکرسکتی تھی۔ میں دروازہ کھول سکتی تھی، اوراُسے ہمیشہ کے لئے اپنے اندرآنے کے لئے کہہ سکتی تھی، یا میں دروازہ بند رکھ سکتی تھی۔ مجھے اپنے فیصلے کوآخری شکل دے کر منزل کا چناؤ کرنا تھا۔

مصمم ارادہ کے ساتھ میں نے آگ کے قریب گھٹنے ٹیک دیئے اوریوں دعا کرنے لگی۔ اب اورانتظارنہ کربرائے کرم میری زندگی میں آ۔ میری زندگی کا ہر پہلو تیرے لئے کھلا ہے۔ مجھے جدوجہد یافکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی کہ کیا ہوگا۔ میں نے ایک مثبت فیصلہ کیا تھا۔میں جانتی تھی کہ

مسیح اب میری زندگی میں ہے۔ میری زندگی کے یہ حسین ترین واقعات تھے۔ چند ہی روزمیں خدا باپ اورخدا بیٹے سے واقف ہوگئی تھی۔ میں اٹھی اورسونے کے تیاری کرنے لگی۔ میرا ذہن گردش میں تھا۔ کیا میں نے ایک مزید قدم اٹھانے کی جرات کی ہے؟ مجھے یادہے کہ اعمال کی کتاب میں پنتکست کے روزیسوع نے اپنے شاگردوں کوروح القدس سے بپتسمہ دیا تھا۔ اپنا سرتکیئے پررکھتے ہوئے میں نے کہا۔ کیا مجھے بھی ان کے نقش قدم پرچلنا ہے؟ میں نے دعا کی" اے خداوند تیرے سوا کوئی مجھے راہ دکھانے والا نہیں ہے۔ اگر تیری مرضی ہے کہ میں روح القدس سے بپتسمہ پاؤں توبہرصورت میں وہی چاہتی ہوں۔ جوتوچاہتا ہے ۔ میں تیارہوں۔ یہ جانتے ہوئے کہ میں نے مکمل طورپر اپنے آپ کو اُس کے ہاتھوں میں سونپ دیا ہے میں سوگئی۔

۲۴دسمبر۱۹۶۶ء کو علی الصبح میری آنکھ کھل گئی۔ تین بجے کا وقت تھا۔ کمرہ سرد ہونے کے باوجود میں بستر سے نکل کر سرد قالین پر گھٹنوں کے بل ہوگئی اُوپر نگاہ کرنے سے یوں لگا کہ میں ایک عظیم روشنی دیکھ رہی ہوں۔ میری آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ اپنے خالق کی جانب اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے میں پکاراٹھی "اے خدا باپ مجھے روح القدس سے بپتسمہ دے"۔

میں نے اپنی بائبل لی اوروہاں سے کھولی جہاں یسوع کا ارشاد تھا" یوحنا نے توپانی سے بپتسمہ لیا۔ مگر تم تھوڑے دنوں کے بعد روح القدس سے بپتسمہ پاؤ گے"(اعمال ۱:۵) میں نے پکارکر کہا اے خداوند !اگر تیرے یہ الفاظ سچ ہیں توپھر یہ بپتمسہ مجھے ابھی عطا کر۔ میں سردفرش پر سرنگوں ہوگئی۔سسکیوں کے دوران میں یہ کہہ رہی تھی کہ جب تک تومجھے یہ بپتسمہ نہ دے میں اس جگہ سے ہرگز نہیں اٹھوں گی۔ اچانک میں خوشی اورخوف کے ملے جلے جذبات سے معمورہوگئی۔کیونکہ صبح کے تڑکے میں ،میں نے خداوند کا چہرہ دیکھا بجلی کے کرنٹ کی لہرمیرے بدن میں سے گزرگئی۔ میری روح کوپوترکرنے والی یہ لہریں ایک بحر کی مانند تھیں۔ چاندی سے لے کر تلوے تک میری روح دھل چکی تھی۔میں پورے طورپر صاف تھی۔ پھر اس پرزور کرنٹ کا زورمدھم ہونے لگا اورآسمانی سمندر ساکت ہوگیا۔ میں خوشی سے

پھولے نہیں سماتی تھی۔ اورمیں اُونچی آواز میں اُس کی حمدوشکرکرنے لگی۔

کئی گھنٹے اسی حالت میں رہنے کے بعد مجھے محسوس ہواکہ خداوند مجھے پاؤں پر کھڑا کررہا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ میں اب اٹھوں۔ میں نے کھڑکی میں سے نگاہ کی اوردیکھاکہ دن چڑھنے والا ہے۔اپنے بستر پر لیٹے ہوئے میں نے کہا اے خداوند جس فردوس کا تونے ذکر کیا ہے۔ کیا وہ اس سے کچھ بہتر ہوگا؟ تجھے جاننے میں مسرت ہے۔ تیری پرستش میں حقیقی خوشی ہے اورتیری قربت میں اطمینان ہے اوریہی جنت ہے۔

شائد اس صبح میں دوگھنٹے سوئی ہوں گی۔ تھوڑی دیر میں ملازمہ لباس پہننے میں میری خدمت میں آموجود۔ یہ پہلی صبح تھی جس میں ،میں نے کرخت لہجے سے کام نہ لیا۔ سورج کی کرنیں کمرے میں خوفشانی کررہی تھیں۔ ریشم میرے بالوں کوکنگھی کرتے گنگنارہی تھی۔ پہلے اُس نے کبھی ایسانہیں کیا تھا۔

دن بھر میں خداوند کی تعریف میں مگن اورخوشی سے معمور اپنے گھر ٹہلتی رہی تھی۔ دوپہر کے کھانے پر محمود میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا"ممی !آپ اس قدرخوش دکھائی دیتی ہیں۔ اس خوشی کا کیا سبب ہے؟ ہاتھ بڑھاکرمیں نے پیارسے اس کے سیاہ بالوں کوچھوا۔ اوراس کا جواب دینے کی بجائے میں نے بیرے سے کہا کہ اُسے اورحلوادو۔ پھرمیں نے محمود کوبتایاکہ ہم مچل کے ہاں کرسمس منائیں گے۔ محمود نے سوالیہ اندازمیں کہا" کرسمس" ! میں نے کہا کہ ماہِ رمضان کے بعدیہ بھی عید کی طرح اچھے اچھے کھانے پکانے اورخوشی منانے کا دن ہے۔ محمود سمجھ گیا۔ میرا خیال ٹھیک تھا۔ مچل نے دروازے پرہی ہمیں خوش آمدید کہا۔ ہمارے چاروں طرف پکوان کی خوشبو تھی۔اورکمرے میں سے قہقہے گونج رہے تھے۔ وہ ہمیں ڈرائینگ روم میں لے گیا۔ کمرہ خوب سجا ہوا تھا۔ اورمچل کےبچوں کی ہنسی دوسرے کمرے سے سنائی دے رہی تھی۔ محمود سے عمر میں یہ بچے کچھ بڑے تھے، توبھی محمود خوشی سے اُن کے ساتھ کھیل میں مشغول ہوگیا۔

میرے لئے اپنی خوشی کوسنبھالنا مشکل تھا۔ بغیر سوچے ڈیوڈ سے مخاطب ہوتے ہوئے میں کہنے لگی" ڈیوڈ" اب میں مسیحی ہوں ۔ مجھے روح القدس کا بپتسمہ بھی ہوا ہے۔

وہ حیرانگی سے مجھے تکتے ہوئے پوچھنے لگا کہ آپ کوروح القدس کے بپتسمہ کے بارے میں کس نے بتایا ہے۔ خداوند کی تعریف کرتے اور ہنستے ہوئے اُس نے پھر پوچھا آپ کوکس نےیہ بتایا ہے۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا " یسوع نے مجھے بتایا ہے۔ میں نے بائبل مقدس میں سے اعمال کی کتاب میں پڑھا ہے۔ میں نے خدا سے روح القدس مانگا اور اس نے مجھے عطا کیا ہے۔وہ دونوں میاں بیوی ششدررہ گئے۔ پھراچانک وہ میری طرف لپکے مسز مچل مجھ سے بغلگیر ہوئی۔ جذبات سےمغلوب دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ہم تینوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے وہاں کھڑے تھے۔ ہم اُس کام کے لئے خدا کی تعریف کررہے تھے، جواس نے کیا تھا۔

اس رات میں نے ڈائری لکھنی شروع کی۔ جس میں میں نے اُن واقعات کاذکرکیا۔ جوخداوند نے میری زندگی میں کئے تھے مجھے موت کا اب کوئی خوف نہیں تھا۔ جب یہ بات باہر نکلے گی کہ میں مسیحی ہوگئی ہوں۔ میں یہ چاہتی تھی کہ یہ میرا ریکارڈ ہے۔ اپنی میز پر بیٹھی اپنا تجربہ لکھتے ہوئے مجھے کوئی علم نہیں تھا کہ وہ میری تعلیم کے لئے تیاریاں کررہا ہے۔

چھٹا باب

(اُس کی قربت میں رہنے کا سبق)

تین بار خدا کی حضوری سے واقفیت ہے کہ بعد لگے کئی روز حیران کن واقعات میرے منتظر تھے۔ جو تجربہ مجھے اب ہوا وہ دوخوابوں میں مختلف تھا۔ اس تجربہ نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ایک سہ پہر بستر میں آرام کرتے ہوئے میں اپنے خداوند کے خیالوں میں تھی کہ یکایک میں نے محسوس کیا کہ پروازکرتی ہوئی میں کھڑکی میں سے باہر جارہی ہوں۔یقیناً میں نیند میں نہیں تھی۔ پروازکی حالت میں ،میں نے اُوپر سے زمین پر نظر کی میں اس قدر خوفزدہ ہوگئی کہ مارے خوف کے چلائی اوریکایک میں نے محسوس کیا کہ میں واپس اپنے بستر پر آگئی ہوں۔ میں مدہوشی کی حالت میں پڑی ہانپ رہی تھی۔ اوراپنی ٹانگوں میں سرسراہٹ سی محسوس کررہی تھی۔ میں نے خداوند سے دعا میں اس کا مطلب پوچھا اورتب مجھے معلوم ہواکہ اُس نے مجھے ایک خاص تجربہ دیا ہے میں نے معافی چاہتے ہوئے کہ خداوند تو نے ایسے تجربے کے لئے مجھ جیسی بزدل کوچنا ہے۔

اُسی رات کے آخری پہر میں یہ تجربہ پھرمجھے ہوا۔ فرق صرف یہ تھاکہ اس بارتجربے کے دوران میں نے خداوند کوبتایاکہ میں ہراساں نہیں ہوں۔ جونہی میں اپنی کھڑکی سے واپس آئی مجھے گمان ہوا کہ میں روحانی طورپرپروازکرتی رہی تھی۔میں نے خداوند سے اس کا سبب پوچھا۔

بائبل کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے میں نے خدائے تعالیٰ سے اس کی تفتیش کی کیونکہ مجھے ڈرتھا کہ کہیں یہ خداوند کے کلام کے خلاف نہ ہو۔یہ پڑھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ کیونکر رسولوں کے اعمال (۸: ۳۹) میں خداوند کا روح فلپس کوحبشی خوجہ کے بپتسمہ کے بعد اُشدوکے شہر میں لے گیا جوکافی فاصلے پر تھا۔ جب میں نے پولوس کے کرنتھیوں کی کلیسیا کےدوسرے خط کا مطالعہ کیا تواس کی مزید تصدیق ہوگئی۔ بارہویں باب میں وہ خداوند کی طرف سے رویا اورمکاشفوں کا ذکرکرتا ہے۔ اُس نے اپنے تیسرے آسمان تک اٹھائے جانے کے بارے میں لکھا ہے۔ اس نے محسوس کیاکہ صرف خدا کومعلوم تھاکہ یہ حقیقی

جسمانی تجربہ تھا۔ اوراس کے بعدپولوس رسول نے لکھا کہ" اس آدمی نے ایسی باتیں سنی جن کا کہنا آدمی کو روانہیں"۔

مگر میں نظاروں کوہرگز فراموش نہیں کرسکتی۔ ایسے ایک تجربہ کے دوران میں نے ایک مینارآسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھا۔ اچانک میرے روبرو سینکڑوں گرجا گھر تھے۔ ان میں نئے پرانے اورمختلف طرز سے تعمیرکئے ہوئے تھے۔ تب میں نے ایک قصبوں اورشہروں کودیکھنا شروع کردیا۔ جن میں ہرساخت کے گاؤں اورشہر شامل تھے۔

پھرجونہی میں نے سرخ گھوڑے پرسوار ایک شخص دیکھا جس کے دائیں ہاتھ میں تیز تلوار تھی تومیرا دل خوف سے کانپ گیا۔ تو وہ بادلوں کوچھوتا اورکبھی دھرتی کو۔ میں ان احساسات پرقابو پانے سے قاصر تھی کہ یہ تجربات خاص وقت کے لئے مجھے دئیے گئے ہیں جوابھی تک میرے فہم میں نہیں تھا۔

بائبل پڑھتے وقت میں یہ محسوس کرتی تھی کہ محض اسے پڑھنے کے علاوہ میں گویا روزمرہ کی رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے میں اس کے اوراق میں سے گزرکرفلسطین کی اس قدیم دنیا میں چلی جاتی جہاں کبھی یسوع مسیح گلیل کی پتھریلی راہوں پرچلا کرتا تھا۔میں اُسے تعلیم دیتے اوراُس تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرتے دیکھا اوریہ کہ کیونکہ وہ عجیب کا انجام دیتا تھا۔بلاآخر اُس نے صلیب اٹھائی فتح مندی سے موت کے تجربہ میں گزرا میں نے یہ بھی دریافت کیاکہ میرے بائبل پڑھنے کے اثرات دوسرے لوگ محسوس کرنا شروع کررہے ہیں۔ یہ اُس روز پتہ چلا جب میری ملازمہ میرے غسل کا بندوبست کررہی تھی۔ نورجہاں ٹرے میں کنگھیاں اوربرش رکھ رہی تھی کہ اچانک اُس سے تمام چیزیں گرگئیں۔ بہت شورہوا اوراُس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔اوریقیناً میں اُسے بُرا بھلا کہنے والی تھی کہ میں نے اپنے آپ کوروک لیا۔ اس کے برعکس میں نے کہا" نورجہاں فکر کی کوئی بات نہیں کوئی شئے نہیں ٹوٹی۔

پھرایک خاص طرح کی دلیری نے میری زندگی میں زور پکڑنا شروع کردیا۔ اب تک میں مسیح کے بارے میں کسی کواپنی دلچسپی بتاتے ہوئے گھبراتی۔ مجھے ڈرتھا کہ لوگ میری ہنسی اڑائیں گے مجھے ڈرتھا کہ خاندان سے میں قطع

تعلق ہوجاؤں گی۔ شاید محمود کا والد اُسے مجھ سے لینے کی کوشش کرے۔ اس خیال سے میں مزید خوف زدہ ہوئی کہ کوئی سرپھرا مذہبی دیوانہ اپنے جوش میں مجھے قتل نہ کردے۔ پس میں نہیں چاہتی تھی کہ کوئی مجھے مچل کے گھردیکھے۔

عورتوں کا وہ گروہ جواُس پہلی رات مسٹرمچل کے گھر سے نکلا تھا ابھی تک میرے ذہن پرسوار تھا۔ میرے نوکر جانتے تھے کہ یقیناً میں غیرمعمولی واقعات کی زد میں ہوں۔ ان تمام خیالات کے سبب سے میں مسلسل بے چینی کی حالت میں رہتی تھی۔ پتہ نہیں میرے خلاف دباؤ کا زورکب زیادہ ہوجائے۔

مگر میں تین بارخدا کے جلوؤں کودیکھنے کے بعد ایک روزحیران کن دلیری سے معمور تھی۔ میرے مسیحی ہونے کا فیصلہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ بائبل کے الفاظ میں" میں اپنے منہ سے یسوع کا اقرارکررہی تھی"۔ ایک دن اپنی خواب گاہ کی کھڑکی کے نزدیک کھڑے ہوئے میں اپنے آپ سے ہمکلام ہوئی کہ دیکھیں اُونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

میں اس قدر جلد نتائج کی متوقع نہ تھی۔ ۱۹۶۶ء کرسمس کے جلد ہی بعد میری ملازمہ پریشانی کے عالم میں سیڑھیوں سے نیچے آئی اورمجھے اطلاع دی بیگم صاحبہ! مسز مچل آپ سے ملاقات کوآئی ہیں۔ معمول کے مطابق میں کہنے لگی کہ اُسے اندرآنے دو۔ جب میں دروازہ پر اُس کے استقبال کواٹھی میرادل دھڑک رہا تھا۔ میں نے کہا آپ کی ملاقات میرے لئے باعثِ عزت ہے۔ میں نے بڑی دلیری سے یہ الفاظ کہے۔

مسزمچل مجھے کھانے کی دعوت دینے آئی تھیں۔ کہنے لگی کہ چند اورلوگ بھی وہاں ہونگے۔ اورمجھے یقین ہے کہ آپ ان سے ملنا پسند کریں گی۔ اورلوگوں کا سنتے ہی پُرانی دیواریں پھر سے سر اٹھانے لگیں۔ یقیناًسینو و نے میری جھجھکتی ہوئی نگاہ کو تاڑلیاہوگا۔ اس لئے وہ کہنے لگی اُن میں کچھ انگریز ہوں گے اورکچھ امریکن کیاآپ تشریف لائیں گی؟ میں نے اپنی رضامندی کا اظہارکردیا۔

میں حیران تھی کہ اکثر بہت سے مسیحی اپنا مسیحی تجربہ اوراعتقاد دوسروں سے بیان کرنے سے کیوں شرماتے

ہیں۔ میں نے محسوس کیاکہ جن لوگوں سے میری ملاقات مچل کے گھر ہوگی۔ وہ اپنا تجربہ اورمسیحی عقیدہ بیان کرنے سے نہیں شرمائیں گے۔

اگلے روزمیں مچل کے گھر تھی۔ ڈیوڈ مچل اوراُس کی بیگم نے بڑی گرمجوشی سے میرا استقبال کیا۔ اوراپنے دوستوں سے میرا تعارف کروایا۔ میں اُس وقت ناواقف تھی کہ اُن میں سے کچھ لوگ میری زندگی میں عظیم کردارادا کریں گے۔میری ملاقات مسٹر اورمسز اولڈ سے ہوئی۔ مسٹر اولڈ ایک سول انجنئیر تھا۔ وہ بہت ہی بے تکلف تھے۔ وہ خود انگریز تھے اوران کی بیگم ماری ایک امریکن نرس تھی۔ وہ بہت ہی ہنس مکھ تھی۔ دیگرلوگ بھی ملنسارتھے۔

میں سب کی توجہ کامرکز تھی۔ ہرایک میرے تجربے سننے کوبے قرارتھا۔ یہ بڑی خاموش ضیافت ہوگی۔ مگربہت سوال جواب ہوئے۔ میری توقع کے برعکس یہ خاموش ضیافت نہ تھی۔ سب خاموشی سے میرے تجربات سن رہے تھے ۔حتیٰ کہ بچے بھی خاموش اورانہماک سے سن رہے تھے۔ ضیافت کے اختتام کے پرڈیوڈ مچل نے اپنی بیگم کے کھانے کوسراہنے کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میری داستان کی روحانی خوراک بہت روح افزاء تھی۔مسٹر اولڈ نے اس بات میں ہاں ملائی۔ پھرمجھ سے مخاطب ہوکر کہنے لگا۔ میں نے آپ کو پہلے دیکھا ہے۔ میں واہ میں رہاکرتا تھا۔ صبح سویرے آپ کے باغ کے پاس گزرتے ہوئے میں نے آپ کے پھولوں کوسراہا تھا۔ کبھی کبھارآپ باغیچہ میں ہوتی تھیں مگرمیں یہ کہونگا کہ آپ بہت بدل چکی ہیں۔

میں نے یقیناً محسوس کیا کہ میں جانتی ہوں کہ اس سے کیا مراد ہے۔ چندماہ پہلے کی بلقیس مسکراہٹ سے خالی تھی۔ گفتگو کوجاری رکھتے ہوئے مسٹر اولڈ کہنے لگاآپ ایک ایسے بچے کی مانند ہیں جسے اچانک ایک تحفہ دے دیا گیاہو۔اس تحفہ کوپانے سے میں آپ کے چہرے پرایک عظیم رُعب دیکھتاہوں ۔ یہ خزانہ ان تمام اشیاء سے بڑھ کر ہے جوآپ کے پاس پہلے تھیں میں اُس کی گفتگو سے خوش تھی ۔ میں دوسروں کی گفتگو سے بھی لطف اندوزہوئی تھی۔ اورمیں نے جانا کہ میں دُرست راہ پر ہوں۔ یہ مسیحی ان مسیحیوں سے جن سے میری ملاقات دُوسری ضیافتوں میں ہوئی تھی

مختلف تھی۔شام ہونے سے پہلے ہرشخص اپنی زندگی میں خدا کے کام کا ذکر کرچکا تھا۔ اچھے کھانے کے ساتھ ساتھ خدا کی حضوری سے حقیقی بھوک مٹ رہی تھی۔ اس طرح کا سماں میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اورمیں خواہشمند تھی کہ کاش اس طرح کی ضیافتیں مسلسل ہوتی رہیں۔

جاتے وقت مسٹر اولڈ نے میری مسیحی رفاقت کی ضرورت کوبتایااور کہنے لگاکہ آپ اتوار کی شام ہمارے ہاں تشریف لائیں گی؟ اوراس طرح دوسرے مسیحیوں سے میری مسلسل ملاقاتوں کا آغاز ہوا۔ اتوار کی شام ہماری ملاقات اولڈ کے گھر ہوئی۔ ڈرائینگ روم میں درجن کے قریب لوگ جمع تھے۔ ان میں صرف دوپاکستانی تھے۔ اورباقی امریکن اورانگریز تھے۔ میری ملاقات چند نئے لوگوں سے بھی ہوئی۔ مثلاً ڈاکٹر اورمسزکرسٹی۔ یہ لمبے قدکا امریکن آنکھوں کا ڈاکٹر تھا۔ اس کی بیوی نرس تھی۔ دونوں لوکل مشن ہسپتال میں کام کرتے تھے۔ ان ملاقاتوں پر ہم گیت گاتے بائبل پڑھتے ہیں اورایک دوسرے کی ضروریات کے لئے دعا کرتے تھے بہت جلد یہ میرے ہفتے کی عظیم شامیں بن گئیں۔

پھرایک اتوار میں کسی سبب سے جانے کی ضرورت محسوس نہیں کررہی تھی۔ یہ ایک ہلکی سے بات تھی۔ مگراچانک میں بے قرار سی ہونے لگی۔ یہ کیا تھا؟ میں بے قراری کے عالم میں ملازمین کے کاموں کی جانچ پڑتال کرتے ہوئے گھر میں چہل قدمی کرنے لگی۔ اگرچہ ہرچیز درست تھی۔ توبھی یوں لگتا تھاکہ ہرشئے بے ترتیبی سے رکھی ہوئی ہے۔

میں اپنے کمرے میں گئی اوردعا کرنے کے لئے دوزانو ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد محمود آگیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اس قدردبے پاؤں داخل ہوا کہ مجھے اس کے آنے کا علم نہ ہوسکا۔ جب تک میں نے اُس کے ننھے ہاتھوں کی لمس محسوس نہ کی۔ اُس نے پوچھا " ممی !آپ ٹھیک ہیں۔ آپ اُداس دکھائی دیتی ہیں۔ میں مسکرادی۔ اوراُسے یقین دلایاکہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ کہنے لگا آپ چلتے ہوئے اردِگرد دکھتی جاتی تھیں۔ جیسے آپ نے کچھ کھودیاہو۔ پھروہ اُچھلتے کودتے کمرے سے باہر چلاگیا۔ مجھے یوں لگتا تھاکہ کچھ کھوگیا ہے۔ محمود ٹھیک کہتا تھا اورمیں جانتی تھی کہ

میں نے کیا کھویا ہے۔ میں نے خدا کی حضوری کا احساس کھودیا تھا۔ یہ مجھ سے جاچکا تھا۔کیوں؟ کیااس کا تعلق اولڈ کے گھر میں میری اُس دعائیہ میٹنگ پرنہ جانے سے تونہیں تھا۔ کیا اس کا سبب یہ تونہیں تھا کہ میں نے رفاقت کی ضرورت کوپیش نظرنہیں رکھا تھا۔

اس بات میں کس قدرضرورت کا احسا س تھا۔ جب میں نے کین کوضرورت کے احساس کے پیش نظرفون پر کہا کہ میں آئندہ اتوارکوضرورآؤں گی۔ اس کے ساتھ ہی میری روح میں وہ گرمجوشی دوبارہ لوٹ آئی۔ کوئی غیرمعمولی بات تو نہ ہوئی مگراس رفاقت سے خداوند کی حضوری کا احساس تازہ ہوگیا۔ مسٹر اولڈ کے کہنے کے مطابق مجھے رفاقت کی ضرورت کا سبق مل گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے اس وقت تک مسلسل جانے کا تہیہ کرلیا جب تک یسوع خود مجھے نہ جانے کا حکم نہ دے۔ خدا کی قربت میں چلتے ہوئے خدا کے کلام کی بھوک روزبروزبڑھتی جاتی تھی۔ بائبل کا مطالعہ میری دلچسپی کا مرکز تھا۔ بائبل میرے لئے ایک زندہ حقیقت تھی۔ بائبل میرے قدموں کےلئے روشنی اورمیری راہ کے لئے چراغ تھی۔ حق تویہ تھاکہ بائبل میرا دلکش عطر تھی۔ یہاں بھی میں نے عجیب بات دیکھی۔

ایک روزمحمود اورمیں ایک دن کے لئے اُس کی ممی سے ملاقات کوگئے۔ ایک رات پیشتر میں دیر سے سوئی اورتھکاوٹ کے سبب سے میں صبح سویرے اٹھ کر مطالعہ بائبل میں ایک گھنٹہ بسرکرنے کے لئے تیارنہ تھی۔ لہذا میں نے ریشم سے کہا کہ روانگی سے کچھ دیرپہلے چائے کے وقت پرمجھے جگادینا۔

تمام شب بے چینی سے کروٹیں لیتے ہوئے بیتی تھی۔ اورمجھے ناخوشگوارخواب آتے رہے تھے۔

ریشم کے آنے پر میں تھکی ہوئی تھی۔ دن بھر مایوسی کے بوجھ تلے بیت گیا۔ کیا سبب تھا کہ خدا وند چاہتا تھا کہ میں ہرروز بائبل پڑھوں۔ یہ دوسری بار تھی جب میں نے محسوس کیاکہ میں خداوند کی حضوری کے جلال سے دورجارہی ہوں۔

مگراس تجربے نے ایک عجیب ساجذباتی احساس جگادیا۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ میں پہچانے بغیرایک

اہم سچائی پر بیٹھی ہوں۔ کبھی تو مجھے خدا کی حضوری کا گہرا احساس ہوتا اور کبھی میں اس احساس کو کھو دیتی تھی۔

مجھے کیا کرنا چاہیے ۔ اُس کی قربت میں رہنے کے لئے میں کیا کرسکتی ہوں۔ میری سوچ ان اوقات پر مرکوز رہی۔ جب وہ غیر معمولی طور پر میرے قریب تھا۔ مثلاً میرا خیال ان خوابوں کی طرف گیا اور بعد ازدوپہر اس مہک کی طرف جو سردیوں کے موسم میں میرے باغیچہ میں تھی۔ میں نے اس پہلے وقت کے بارے میں سوچا جب میں مچل کے گھر گئی تھی۔ اور اس کے بعد کے وقتوں پر غور کیا۔ جب میں بائبل مسلسل پڑھتی تھی اور اولڈ کے گھر میں اتوار کی دعائیہ عبادتوں پر جاتی تھی۔ غالباً ایسے وقت آئے تھے، جب مجھے معلوم تھا کہ خداوند میرے ساتھ ہے میں نے متضاد اوقات پر بھی غور کیا۔ اُن لمحات پر جب مجھے اُس کی حضوری کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ بائبل اسے یوں بیان کرتی تھی اور خدا کے پاک روح کو رنجیدہ نہ کرو۔ (افسیوں ۴: ۳)۔

کیا نوکروں کو بُرا بھلا کہتے وقت میں نے یہی نہ کیا تھا؟ مسلسل بائبل نہ پڑھنے سے میں نے اپنی روح کو مناسب خوراک نہ دیتی تھی۔ یا پھر اولڈ کے ہاں جانے سے سستی کرتی تھی۔ اس کی رفاقت میں رہنے کا کلید کا ایک جُز فرمانبرداری تھی۔ جب میں فرمانبردار ہوتی تو میں اس کی حضوری میں رہتی۔ میں نے اپنی بائبل اٹھائی اور یوحنا کی انجیل میں تلاش کرتے ہوئے یہاں میں اس آیت پر پہنچی۔

"اگر کوئی مجھ سے محبت رکھے تو وہ میرے کلام پر عمل کرے گا۔ اور میرا باپ اُس سے محبت رکھے گا۔ اور ہم اُس کے پاس آئیں گے۔ اور اُس کے ساتھ سکونت کریں گے۔ (یوحنا ۱۴: ۲۳)۔

جو میں کہنے کی کوشش کر رہی تھی، بائبل اسے یوں بیان کرتی تھی۔ میں یہی کرنے کی سعی کر رہی تھی۔ میں نے دعا کی کہ اے باپ مجھے فرمانبرداری درکا رہے۔ بائبل کے بموجب میں تیری خادمہ بننے کی مشتاق ہوں میں تیرے حکم مانوں گی۔ لیکن یہ کوئی قربانی نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے مجھے تیری قربت ملتی ہے۔ تیری نزدیکی کے حصول کے لئے کچھ کرنا قربانی ہوسکتی ہے۔ میں کبھی خداوند کی آواز بلاواسطہ سننے کی عادی نہیں تھی۔ مگر میں قائل تھی کہ مجھے خداوند کی آواز

آرہی ہے ۔ خدا کے سوا کون مجھے اپنے خاوند کومعاف کرنے کو کہہ سکتا تھا! مجھے یہ آوازآرہی تھی"۔ بلقیس اپنے خاوند سے پیارکرو، اسے معاف کردو۔

لمحہ بھر کے لئے میں گم سم بیٹھی رہی۔ عام لوگوں کے لئے خدا کی محبت کومحسوس کرنا ایک الگ با ت تھی۔ مگراس شخص کوپیارکرنا جس نے مجھے اس قدردکھ دیا تھا بالکل مختلف معاملہ تھا۔

اے باپ یہ میرے بس کی بات نہیں میں نہ توخالد کے لئے برکت مانگ سکتی ہوں اورنہ اُسے معاف کرسکتی ہوں۔ مجھے یادآیاکہ کیونکر ایک دفعہ بچگانہ طورپر میں نے خداوند سے دعا کی کہ میرے خداوندخالد کوکبھی مسیحی نہ ہونے دینا۔کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ اُس خوشی کو وہ جان سکے جسے میں نے پایا ہے۔ اوراب خدا مجھے اُس شخص کوپیار کرنے کاحکم دے رہا تھا۔ خالد کی سوچ سے ہی میں غصہ سے بھر گئی تھی۔ اورمیں نے جلدی سے اسے اپنے ذہن سے نکالنے کی سعی کی ۔ "اے خداوند ہوسکتاہے میں اُسے فراموش کردوں، کیا یہ کافی ہوگا؟" خداوند کی حضوری کی آنچ ٹھنڈی پڑتی محسوس ہورہی تھی۔ میں نے پھر کہا خداوند !میں اپنے خاوند کومعاف نہیں کرسکتی ۔ مجھ میں ایسا کرنے کی سکت نہیں ہے۔

مجھے خداوند کے الفاظ یادآئے" میرا جوا ہلکا اورمیرا بوجھ ملائم ہے"(متی ۱۱: ۳۰)۔

میں نے چلاتے ہوئے کہا" میں اسے معاف نہیں کرسکتی"۔ پھر میں نے ان تمام جفاؤں کی فہرست بنائی جواُس نے میرے ساتھ کی تھیں۔اس سے مزید زخموں نے سراٹھایا۔ ایسے دکھ سامنے آئے جن کومیں نے اپنے ذہن میں دفن کردیا ہوا تھا۔ اورجن کی سوچ بھی مجھے درد میں مبتلا کردیتی تھی۔ میرے اندر سے نفرت کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ اوراب میں محسوس کرتی تھی کہ میں مکمل طورپر خدا سے جدا ہوں۔ ایک کھوئے ہوئے بچے کی طرح مارے خوف کے میں چلائی۔ اورجلدی ہی معجزانہ طورپر میں خدا کی حضوری کواپنے کمرے میں محسوس کرسکتی تھی۔ اس کے قدموں میں گرتے ہوئے میں نے اپنی نفرت کا اقرارکیا اوراپنی معاف کرنے کی نااہلیت کومانا۔

یہ الفاظ میرے ذہن میں پھرتازہ ہوئے۔ "میرا بوجھ ہلکا اورمیرا جوملائم ہے"۔ دلیری سے میں نے اپنا بھاری بوجھ اُس پر ڈال دیا۔ میں نے اپنی نفرت قہر اوردکھ اُس کے حوالے کردئیے۔ اچانک میں نے اپنے باطن میں طلوع صبح کی سی روشنی کا احساس کیا سکھ کا سانس لیتے ہوئے میں تیزی سے اپنے سنگھارمیز کی طرف لپکی۔ سنہری فریم والی تصویر کو اٹھایا اورخالد کے چہرے پر نگاہ کی۔ میں نے دعا کی اے باپ! اس نفرت کو لے لے اورمیرے خداوند اورنجات دہندہ یسوع مسیح کے نام سے مجھے خالد کے لئے اپنی محبت سے بھردے۔ میں کافی دیر تک تصویر نگاہیں لگائے کھڑی رہی۔ آہستہ آہستہ میرے باطن سے منفی احساس مٹنے لگے۔ اوراس کی جگہ ایک غیرمتوقع محبت نے لے لی۔

تصویر میں اُس آدمی کے لئے میرے دل میں نیک جذبات نے جنم لیا۔ اورحقیقت میں اپنے خاوند کے لئے بھلائی کے خیالوں میں تھی۔ اے خداوند اُسے برکت دے۔ اُسے خوشی دے اوروہ جہاں بھی ہے اُسے مسرت دے۔ اس کے ساتھ ہی سیاہ بادل میرے دل سے اٹھ گئے۔ ایک بوجھ میری روح سے ہٹ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اطمینان اورچین سے معمور ہوں۔ اورایک مرتبہ اورمیری یہ چاہت تھی کہ میں اُس کی رفاقت کوکبھی بھی نہ چھوڑوں۔ اس خواہش کوتازہ رکھنے کے لئے سیڑھیوں سے نیچے گئی۔ اوراپنے دونوں ہاتھوں کی پشت پرصلیب کا نشان بنالیا۔ بہر صورت کبھی بھی دیدہ ودانستہ اس کی حضوری سے دورنہیں جاؤں گی۔

مجھے یقین تھاکہ اس کی حضوری میں رہنے کا فن سیکھنے میں مجھے کچھ وقت درکار ہے۔ مگریہ تربیت کا وقت تھا جسے میں نے بڑی خوشی سے قبول کیا۔ اورپھرایک رات مجھے خوفناک تجربہ ہوا۔

ساتواں باب

پانی اورآگ سے بپتسمہ

۱۹۶۷ء جنوری کی رات میں گہری نیند سوئی ہوئی تھی کہ میرا پلنگ زورزور سے ہلنے لگا۔میں پریشانی میں جاگ گئی۔

بھونچال! میرا دل ایک نہ معلوم خوف کی گرفت میں تھا۔ اوراس کے بعد میں نے اپنے کمرے میں خوفناک کی شیطانی موت کا احساس کیا ایک ایسی قوت جویقیناً شیطانی تھی۔

یکایک مجھے بستر سے گرادیا گیا۔ جسم میں یا روح میں یہ نہیں جانتی۔ لیکن یوں لگا جیسے تندوتیز جھونکے نے ایک تنکے کواڑادیا ہو۔ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ محمود کا چہرہ میرے سامنے آگیا اورمیرا دل اس کی حفاظت کے لئے چلایا۔ جب میری جان کانپ رہی تھی تومجھے گمان ہواکہ یقیناً جی نہ سکوں گی۔ ایک خوفناک سی حضوری ایک سیاہ بادل کی مانند مجھ پر چھائی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے آقا کوپکارا اے خداوند یسوع اوراُس کے ساتھ ہی اس قدر زورزور سے کانپنے لگی۔ جیسے شکارشکاری کی زد میں کانپتا ہے۔ اپنی روح میں چلاتے ہوئے اے خداسے دعا کی کہ اے خدا!کیامیں نے یسوع کوپکارنے میں خطا کی ہے۔ اس پرایک عظیم قوت مجھ میں داخل ہوئی اورمیں نے یسوع ،یسوع پکارنا شروع کردیا۔

اسی پر زورآورشکاری کا زورٹوٹ گیا۔ میں وہاں پڑے اپنے خداوند کی حمدوستائش کرتی رہی۔ تاہم کوئی تین بجے صبح کے قریب میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔ اورمیں سوگئی۔

صبح کے وقت ریشم نے چائے کے وقت مجھے جگایا میں بستر پر درازایک سکون محسوس کررہی تھی۔ جونہی میں نے دعا میں اپنی آنکھیں بند کیں۔ میں نےاپنے سامنے یسوع مسیح کوکھڑے دیکھا۔ وہ سفید چوغہ اورارغوانی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ بڑے پیار سے مسکرائے اور کہنے لگے گھبراؤ نہیں ایسا پھرنہیں ہوگا۔

اس وقت میں نے محسوس کیا کہ میرا خوفناک تجربہ شیطانی تھا۔ یہ ایک طرح کی آزمائش تھی جو میری بھلائی کے لئے تھی۔ مجھے وہ پکاریادآئی جومیرے باطن کی گہرائی سے آئی

تھی۔ وہ پکاریہ تھی۔ میں اُس کے نام کو یادکروں گی۔ میں یسوع مسیح کا نام لوں گی"۔

میرا خداوند ابھی تک میرے رُوبرو کھڑا تھا۔ اُس نے فرمایا" بلقیس وقت آگیا ہے کہ تم پانی سے بپتسمہ لو۔ پانی کا بپتسمہ یہ الفاظ میں نے بڑی صفائی سے سنے تھے اورجوکچھ میں نے سنا تھا مجھے پسند نہیں تھا۔

جتنی جلدی ہوسکا۔ میں نے لباس پہنا ریشم اورنورجہاں کوتلقین کی کہ دوپہر کے کھانے تک مجھے اکیلے چھوڑدیں۔ سوچ میں گم میں کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ صبح کی ہوا خنک تھی اورباغ میں چشموں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ میں جانتی تھی کہ بپتسمہ کا مفہوم مسلمان پر واضح ہے۔ مگربپتسمہ کی رسم ایک مختلف بات تھی ایک مسلمان کے لئے ایک بے خطا نشان ہے کہ ایک شخص نے اسلام ترک کرکے مسیحیت کوقبول کرلیا ہے ۔ مسلمانوں کے لئے بپتسمہ ایک ارتداد ہے۔

پس یہاں پرایک مشکل آزمائش کا مرحلہ تھا۔ نتیجہ عیاں تھا کیا میں یسوع کی فرمانبرداری کروں اورنتیجتاً ایک شودراورغدار سے بدتر زندگی بسرکروں۔ سب سے پہلے مجھے یقین کرنا تھا کہ میں حقیقت میں خداوند کی پیروی کررہی ہوں۔ میں اس قدرمضبوط مسیحی نہیں تھی کہ ٹھیک طورپر آوازوں میں امتیازکرسکوں۔ لہذا میں اپنی بائبل کی طرف لوٹی۔ اورپڑھا کہ کیونکر یردن میں بذاتِ خود یسوع نے بپتسمہ لیا تھا۔ پھرمیں نے رومیوں کے خط پر نگاہ کی جہاں بپتسمہ موت اورزندگی کی اصطلاحات میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی پُرانا آدمی مرجاتا ہے۔ اورنیا آ دمی اپنے تمام گناہوں کوپیچھے چھوڑتے ہوئے جی اٹھتا ہے سویہی اُس کا مفہوم تھا۔ اگریسوع نے بپتسمہ لیا تھا اوربائبل بپتسمہ کی تلقین کرتی ہے توبلاشبہ میں فرمانبرداری کروں گی۔

اُسی لمحہ ریشم کوبلانے کے لئے میں نے گھنٹی بجائی۔ میں نے کہا کہ منظورسے کہو کہ کارتیارکرے کیونکہ دوپہر کے کھانے کے بعد میں مسٹراولڈ سے ملاقات کوجارہی تھی۔

تھوڑی دیربعد میں نے مسٹراورمسزاولڈ کے کمرے میں تھی۔ بڑی سادگی سے میں نے اُنہیں بتایاکہ کیونکر خداوند نے مجھے بپتسمہ لینے کو کہا ہے۔ وہ اپنی بھنویں چڑھائے

مجھے تکتا رہا۔ شائد وہ میرے ارادے کی گہرائی کوناپنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ پھر مسٹر اولڈ آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہنے لگا"بلقیس" معاملہ نہایت سنجیدہ ہے۔ کیا آپ نتائج سے آگاہ ہیں" ہاں!" میں نے جواب دیا۔ اوراس سے پہلے کہ میں کچھ اور کہوں دھیری آوازمیں بات کاٹتے ہوئے مسٹر اولڈ کہنے لگا، بلقیس! کیا آپ اپنی خاندانی مرتبت سے دستبردار ہونا برداشت کریں گی۔ کیاآپ کومعلوم ہے کہ اس کے بعد آپ بیگم شیخ نہیں کہلائیں گی جوکہ ایک باعزت زمیندارگھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے بعد یہاں رہنے والے مسیحیوں سے آپ کا تعلق ہوگا؟ جواباً میں نے کہا میں اسے خوب سمجھتی ہوں۔ اُس کے الفاظ اوربھی سخت تھے۔ میں نے اُسے ایسی نگاہوں سے دیکھا جس میں مصمم ارادہ تھا۔ بات جاری رکھتے ہوئے وہ کہنے لگا اورکیاآپ جانتی ہیں کہ محمود کا باپ بڑی آسانی اُسے آپ سے لے سکتاہے وہ آپ پربڑی آسانی سے غیرذمہ دارسرپرست کا لیبل لگاسکتاہے"۔

میرے دل پرگویا کسی نے ڈنک ماردیا تھا۔ اُس کے بارے میں فکرمند ہوئی تھی۔ مسٹر اولڈ کے منہ سے سن کر میرے وسوسے اورمضبوط ہوگئے۔ ناتوانی سے میں نے کہا مجھے معلوم ہے جانتی ہوں کہ لوگوں کویہ گمان ہوگاکہ میں ایک جرم کا ارتکاب کررہی ہوں۔ لیکن میں بپتسمہ لینا چاہتی ہوں۔ مجھے خدا کی فرمانبرداری لازم ہے۔ ہماری گفتگو مسٹر مچل کی غیر متوقع آمد سے ادھوری رہ گئی۔ مسٹر اولڈ نے فوراً نہیں بتایا کہ ہمیں ایک اہم معاملہ پرگفتگو کرنا ہے۔ وہ کہنے لگا "بلقیس بپتسمہ لینا چاہتی ہے"۔ تھوڑی دیرتک کمرے میں سکوت طاری رہا۔

ڈیوڈ کہنے لگا مگرہمارے ہاں توکوئی حوض نہیں ہے۔ ماری نے پوچھا! پشاورکے گرجاگھرمیں جوحوض ہے اُس کے متعلق کیا خیال ہے۔ پشاورکا نام سن کر میرا دل کانپ گیا۔ پشاور ایساشہر ہے جس میں قدامت پرست مسلمان بستے ہیں۔ اورجو جوش میں ہوش کا خیال نہیں رکھتے۔ میں نے سوچا کہ یقیناً رازفاش ہوجائے گا۔ گھنٹہ بھرمیں سارے گاؤں کوخبر ہوجائے گی۔ ہمارے پشاور جانے کا سارام انتظام مسٹر اولڈ پرچھوڑدیا گیا۔ ایک دوروزمیں پادری ہمیں اس کی خبرکرے گا۔

اُسی شام میرا ٹیلیفون آیا۔ یہ میرے چچا فتح کی طرف سے تھا۔ میں اس بزرگ باعزت کوقدرکی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ وہ ہمیشہ میری مذہبی فلاح میں بہت دلچسپی دکھاتا تھا۔ "بلقیس" چچا کی کرخت آواز نے مجھے پریشان کردیا۔ ہاں چچا جان" کیا یہ سچ ہے کہ تم بائبل کامطالعہ کررہی ہو"ہاں" میں حیران تھی کہ اُسے اس کا کیونکر علم ہوا۔ چچا فتح کھنکھارتے ہوئے کہنے لگے کہ ان مسیحیوں میں سے کسی کے ساتھ کبھی بائبل سے متعلق بات نہ کرنا۔ تم جانتی ہو کہ یہ کس قدربحث کرتے ہیں۔ ان کی بحث اکثر پریشانی کا سبب ہوتی ہے۔ میری آوازدباتے ہوئے اورزوردیتے ہوئے کہنے لگے ۔ اُن میں کسی کو کبھی اپنے گھر میں مجھ سے مشورہ کئے بغیرآنے کی دعوت نہ دینا۔ اگرتم یہ نہ کروتو یادرکھو کہ خاندان میں سے کوئی تمہاری حامی نہ بھرے گا۔ انکل فتح کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اورجوں ہی وہ سانس لینے کے لئے خاموش ہوئے میں بول اٹھی۔

"چچا جی سنئیے"۔

فون پردوسری طرف خاموشی تھی۔

میں نے کہا چچا آپ کو یادہوگا کہ میرے گھر میں دعوت کے بغیرکبھی کوئی داخل نہیں ہوا۔ مجھے اُمید ہے کہ میرا چچا اسے یادرکھے گا میں اس بات کے لئے مشہورتھی کہ جوملاقات کے وقت کا پہلے اہتمام نہ کرے میں اُس سے ملنے کے لئے رضامند نہ ہوتی تھی۔ فیصلہ کن اندازمیں،میں نے کہا جسے میں چاہوں گی اس سے میں ملاقات کروں گی خدا حافظ فون میرے ہاتھ میں ہی تھا۔ میرے خاندان کی جانب سے کیا یہ آنے والی باتوں کا شگون تھا۔ اگرچچا فقط یہ سننے سے بے قرار تھاکہ میں بائبل پڑھتی ہوں۔ توباقی خاندان کا میرے بپتسمہ کے بارے میں سن کرکیا حال ہوگا۔

میں ا س پر غور نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی وقت بپتسمہ لینے کی خواہش اورشدید ہوگئی۔ مجھے یقین نہیں تھاکہ اپنے تمام رشتہ داروں کے دباؤ کا مقابلہ کرسکوں گی یا نہیں۔ مسٹراولڈ کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا۔

اگلی صبح بائبل میں ،میں حبشی خوجہ کی کہانی پڑھ رہی تھی جسے فلپس نے خدا کا پیغام دیا تھا۔ چلتے چلتے پانی کے پاس پہنچنے پر حبشی خوجہ نے بپتسمہ لیا تھا۔ یوں لگتا

تھا کہ خداوند مجھے باربار کہہ رہاہوکہ ابھی بپتسمہ لو۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگرمیں اورانتظارکروں گی توکوئی رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے۔ میں جلد ہی تیارہوکر مسٹرمچل کے گھرپہنچ گئی۔ دروازے پر ہی کھڑے میں نے مسٹرمچل سے پوچھا کہ کیا پشاورسے کوئی جواب آیا ہے؟ وہ کہنے لگا نہیں! میں نے کہا کیاآپ مجھے یہاں بپتسمہ نہیں دے سکتے ؟آج !اسی وقت مسٹرمچل کہنے لگا کہ اس قدربڑے فیصلے کے لئے ہم جلدبازی نہیں کرسکتے۔میں نے اُسے بتایا کہ کیونکہ خداوند چاہتا ہے کہ میں جلد ازجلد بپتسمہ لوں۔ اور میں کسی روکاوٹ کے عمل میں آنے سےپہلے خداوند کی فرمانبرداری کرنا چاہتی ہوں۔

بے بسی کی حالت میں ڈیوڈ نے اپنے ہاتھ پھیلائے اپنی مصروفیات کاذکر کرتےہوئے کہنےلگا کہ میں ضرور ہے کہ سینوو کوبعد ازدوپہر ایبٹ آباد لے کر جاؤں اورپھر مجھے صبر کرنے کی تلقین کرنے لگا۔ اورکہا" مجھے یقین ہے کہ کل ہمیں پشاورسے خبرآجائے گی۔میں مسٹراولڈ کے گھرگئی اورجونہی اولڈ اورماری، میری ملاقات کونکلے میں نے چلاتے ہوئے اُن سے کہا کیا کوئی راہ ہے کہ فوری طورپر میں بپتسمہ لے لوں۔ مجھے بازو سے پکڑے کمرے کی طرف لے جاتے ہوئے مسٹر اورمسز اولڈ کہنے لگے، ہم نے اپنے پادری سے پوچھا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سارے معاملے کوسیشن میں سے گزرنا ہوگا۔ سیشن؟ پریشانی کی حالت میں ،میں نے پوچھا وہ کیا ہے۔اُس نے بیان کیاکہ اس کا پادری مجھے بپتسمہ دینے پر رضامند ہے۔ مگراُسےکلیسیا کے بزرگوں کی منظوری لینا لازمی ہے۔ اُس نے مزید کہا کہ اس میں کئی دن لگ سکتے ہیں۔اوراسی اثناء میں کچھ بھی ہوسکتاہے۔ میرا ذہن تمام ممکنات پر تیزی سے غورکررہا تھا۔ پھرمسٹر اولڈ نے مجھے عجیب بات بتائی۔ آدھی رات کے وقت اُسنے ایک شخص کی آواز سنی جس نے اُس سے کہا کہ بائبل میں ۶۵۴صفحہ کھولو۔اُس نے سوچا کہ بائبل کاحوالہ دینے کا کس قدرعجیب انداز ہے۔ یہ ایوب کا ۱۳: ۱۴باب تھا۔ اوراس حوالہ میں یہ آیات تھیں۔ اُس نے وہ آیات پڑھیں جواس کے لئے برکت کا سبب تھیں اورجن کا میرے لئے مفہوم عیاں تھا۔یوں لکھا تھا:

" میں اپنا ہی گوشت اپنے دانتوں سے کیوں چباؤں اوراپنی جان اپنی ہتھیلی پرکیوں رکھوں؟ دیکھو وہ مجھے قتل کرے گا میں انتظارنہیں کروں گا۔ بہر حال میں اپنی راہوں کی تائید اُس کے حضورکروں گا"۔

میں سوچ میں تھی کہ کیا میں اس کے لئے بھی مستعدد ہوں۔ کیا میرا بھروسہ اس قدرقوی ہے۔ میں کھڑے ہوئےاورمسز اولڈ کابازو تھا مے ہوئے کہا مجھے ابھی پانی کا بپتسمہ دو۔ اورپھر اگرچہ وہ مجھے قتل بھی کردیں میں اس کے لئے تیارہوں۔ اپنے خداوند کے ساتھ آسمان میں رہنا میرے لئے بہتر ہے۔

بے بسی کی حالت میں مسٹر اولڈ کرسی پر بیٹھ گیا ۔ میں نے اسے اپنی پریشانی کے بارے میں بتایا اوراس کا بھی تذکرہ کیاکہ خداوند نے کہا ہے کہ میں ابھی بپتسمہ لوں۔ اس معاملے میں کیاآپ میری مدد کریں گے یا نہیں؟مسٹر اولڈ ٹیک لگا کر اپنی کرسی پربیٹھ گیا اوراپنے بھورے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔ ماری کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا کیوں نہ ہم مچل کے گھر چلیں"۔ اوردیکھیں کہ ہم کیا کچھ کرسکتے ہیں! واہ کی بال کھاتی ہوئی گلیوں میں سے ہم واپس مسٹرمچل کے گھر گئے کچھ دیر تک مچل کے دعائیہ کمرے میں ہم خاموش بیٹھے رہے۔ پھر مسٹر اولڈ سنجیدگی سے ہم سے مخاطب ہوا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم سب مانتے ہیں کہ اب تک خدا بلقیس کی غیر معمولی طورپر راہنمائی کرتا رہا ہے۔ اوراگر وہ اپنے بپتسمہ کی اہمیت پر زوردے رہی ہے تویہ بھی خدا کی طرف سے ہے۔ اچھا ہے کہ ہم اس میں رکاوٹ نہ بنیں مسٹر مچل کی جانب متوجہ ہوکربولا" آپ ایبٹ آباد توجاہی رہے ہیں۔ کیوں نہ ماری اوربلقیس کواپنے ہمراہ لیتے ہوئے وہاں آپ سے ملیں۔ اوربعد ازدوپہر بلقیس کے بپتسمہ کا انتظام کریں پشاورجانے کا پروگرام ختم کردیں۔

اچانک یوں لگتا تھا کہ یہ فیصلہ دُرست ہے۔ بس ہم سب نے تیاری شروع کردی۔ میں جلدی سے گھر گئی ریشم سے کہاکہ وہ جلدی سے کپڑوں کاایک جوڑا پیک کردے۔ کیونکہ مسٹر اولڈ نے کہا تھا کہ اُس کی ضرورت ہوگی۔ ان سب باتوں کے دوران میں بے چینی سی محسوس کررہی تھی۔ خدا سے دوری کا احساس شدید ہوگیا۔ خدا نے صفائی سے مجھے فوری طوپر بپتسمہ کی تلقین کی تھی۔ جسے میں طوالت

میں ڈال رہی تھی۔اپنی کوشش کے باوجود بھی فوری طورپر بپتسمہ لینے کے خیال کو میں ذہن سے نہ نکال سکی۔

جب کوئی اورچارہ نہ رہا تومیں نے خداوند سے پوچھا کہ کیا میرا اسی وقت بپتسمہ لینادُرست ہے؟اس طرح ۲۴جنوری ۱۹۶۷ء کوبہت غیر معمولی بپتسمہ کاآغاز ہوا۔ میں نے دوبارہ ریشم کا بلا کر ٹب پانی سے بھرنے کو کہا اُسنے میرے حکم کی فرمانبرداری کی تو ضرورمگر وہ کچھ پریشان تھی کیونکہ یہ میرے غسل کا وقت نہیں تھا۔

ریشم نے مجھے ٹب بھرجانے کی اطلاع دی اورمیں نے اُسے کہاکہ تم جاسکتی ہو۔ میرا یہ عمل علم الہیات کی روشنی میں غلط ہوسکتا تھا مگرمیرے سامنے علم الہیات کی اصطلاحات نہیں تھیں۔ پُرزورفرمان کی بجاآوری کی کوششیں کررہی تھی۔ جس کے پیچھے خدا کاکلام تھا۔ ضرورتھا کہ میں ابھی بپتسمہ لوں۔ اوراگرچہ یہ علم الہیات کےاصولوں کے خلاف تھا۔ توبھی بعد ازدوپہر تک انتظارکرنے کے لئے میں تیار نہیں تھی۔

پس چونکہ اس دنیا میں سب خواہشات سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اپنے خداوند کی حضوری میں رہوں اوراس خواہش کو صرف فرمانبرداری سے پورا کیا جاسکتا تھا۔ میں غسل خانے کی طرف چلی اورگہرے ٹب میں اُترگئی۔ بیٹھے ہوئے پانی میرے کندھوں تک آرہا تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ اپنے سرپررکھتے ہوئے اونچی آوازمیں کہا بلقیس میں تمہیں باپ اوربیٹے اورروح القدس کے نام پر بپتسمہ دیتی ہوں۔ میں نے اپنے سرکوہاتھ سے نیچے دبایا اور اپنے سارے بدن کو پانی کےاندرمکمل طورپر ڈوب جانے دیا۔ خداوند کی تعریف کرتی ہوئی میں پانی سے اٹھی۔اے باپ تیرا شکر ہو میں کس قدر خوش نصیب ہوں ۔میں جانتی تھی کہ میرےگناہ دھل گئے ہیں اورمیں خداوند کی قبولِ نظر ہوں۔ نہ ریشم نے اس کی بابت پوچھا اورنہ ہی میں نے بیان کرنے کی کوشش کی۔ چند منٹ میں ،میں لباس پہن کر بپتسمہ لینے کے لئے ایبٹ آباد جانے کے لئے اولڈ کا انتظارکررہی تھی۔ مجھے اُس جگہ کے ماحول میں علم الٰہی کا علم نہیں تھا۔ مجھے توبس اپنے مقصد سے غرض تھی۔ ان مسیحی دوستوں نے میری مدد کرنے میں

میرا بڑا خیال رکھا تھا۔ میرے سبب سے انہیں بہت کچھ کرنا پڑا تھا۔ اورمیں بات کوپیچیدہ کرنے سے گریزاں تھی۔ اگرچہ میرے دل سے یہ آوازآرہی تھی کہ میں خدا کی فرمانبرداری کرچکی ہوں توبھی میں بپتسمہ کے لئے چلی گئی ۔ میں نے بائبل پڑھنے کی کوشش کی۔ مگرمیری روح اس قدرمسرورتھی کہ میں اپنی پوری توجہ نہ دے سکی۔ میں خداوند کی نزدیکی میں اس طرح تھی جس طرح اُس کا فرما بجالانے سے میں پہلے ہواکرتی تھی۔ اوراُس کے حکم بائبل میں عیاں تھے۔

ریشم نے مجھے مسٹراورمسز اولڈ کی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے محمود سے کہا کہ دن کا باقی حصہ میں گھر پر نہیں ہوں گی۔ میں نے اُسے بتایا کہ کیوں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ ان باتوں میں الجھے ۔اس کے بعد میں مسٹراورمسز اولڈ سے جاملی۔

ایبٹ آباد کاسفر دوگھنٹے کا تھا۔ سڑک کی دونوں طرف صنوبر کے درخت تھے۔ واہ میں،میں نے اپنے بپتسمہ کا ذکرنہ کیا۔ اورموضوعات پرگفتگوہوتی رہی۔ مجھے وہ وقت یادآئے جب سامان سے لدی ہوئی گاڑیوں کے ساتھ اس سڑک پرمیں سفر کیا کرتی تھی۔ایک لمحہ کے لئے مجھے گمان ہواکہ میں پُرانی روایات سے بے وفائی کررہی ہوں۔ منزل مقصود پر پہنچنے پرمسٹراورمسز مچل اورکینڈا کے ایک ڈاکٹر بوب اوراُن کی اہلیہ جوہمارے مہمان نوازتھے ، ہمارے منتظر تھے۔ان کے ہمراہ ایک پاکستانی آدمی بھی کھڑا تھا۔ مسزمچل کہنے لگیں کہ یہ شخص پادری بہادرہیں جوآپ کو بپتسمہ دیں گے۔ دیگر حضرات میں ایک پادری صاحب اور ایک ڈاکٹر تھا۔ مسز مچل کہنے لگی" بلقیس !یہ ایک عظیم گواہی ہے شائد آپ کے سبب سے بہت سے مسیحی ایک دوسرے کے قریب آجائیں کیونکہ پاکستان میں شائد پہلی بارمختلف گروہوں کے لوگ اکٹھے بپتسمہ پرآئے ہیں۔

ہرایک کے چہرے پر خوشی تھی۔ دروازے بند تھے۔ اورپردے گرے ہوئے تھے اورمیں تصورکرسکتی تھی کہ کس طرح پہلی صدی میں مسیحی روم کی حکومت کے زیر اکثر غاروں میں چھپ کر بپتسمہ لیتے تھے بپتسمہ کی تیاری کے لئے میں نے چاروں طرف نگاہ کی اورپوچھا کہ حوض کہاں ہے؟ مجھے پتہ چلا کہ حوض نہیں ہے۔ مسٹراولڈ نے کہا کہ مجھے

چھینٹے کا بپتسمہ دیں گے۔میں نے کہا مگریسوع نے تویردن غوطے کا بپتسمہ لیا تھا۔

اس مقام پر پہنچنے سے پہلے ہم ایک دریا کے پُل پر سے گذرے تھے۔ میں نے کہاآپ مجھے دریا پرواپس کیوں نہیں لے جاتے۔ لیکن پھر مجھے یادآیا کہ سخت سردی ہے۔ اوردوسروں کو بھی میرے ساتھ پانی میں اُترنا پڑے گا۔ اس لئے میں نے اس پر زورنہ دیا۔ خاص طورپر اس لئے کیونکہ مجھے یقین تھا۔ کہ میں اس مقدس حکم کی فرمانبرداری کرچکی ہوں۔ شائد اسی لئے مجھے دوبارہ چھٹے کا بپتسمہ دیا گیا۔ جب مجھ پر پانی کا چھڑکا جارہا تھا تومجھے خیال آیاکہ خداوند ان کی اس حرکت پریقیناً مسکرا رہا ہوگا۔ رسم کے بعد جومیں نے نگاہ کی تودیکھا کہ کمرے میں ہرایک کی آنکھوں میں آنسوتھے۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا کہ یقیناً یہ رونا دھونا میرے لئے حوصلہ افزانہیں ہے۔ خوشی سے میرا نام پکارتے ہوئے مسز مچل مجھ سے بغل گیر ہوگئی۔ جذبات کے سبب سے وہ اورکچھ نہ کہہ سکی۔

دوسروں میں سے ہرایک نے مجھے مبارک باددی۔ خدا کی تعریف میں ایک مزمورگاکر اوربائبل مقدس سے کچھ پڑھ کر ہم واپسی کے لئے تیارتھے۔ سفر خاموشی سے کٹا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میں اپنے خاندان کے لوگوں میں ہوں۔ آنسوؤں سے ایک دوسرے کوخدا حافظ کہہ کر ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

جونہی میں دروازہ میں سے اندرآئی تمام سکون درہم برہم ہوگیا۔ بڑی پریشانی میں چوکیدارمیری طرف دوڑا آیا۔ اوربولا، بیگم صاحبہ! آپ کا خاندان آپ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ کہتے تھے آپ کا مسیحیوں سے میل جول ہے ۔ میں نے اپنا ہاتھ اٹھاتے ہوئے اُسے چپ رہنے کو کہا۔ آہستگی سے میں نے پوچھا"کون کون آیا تھا۔ چوکیدارنے اُن سب کے نام لئے جواُس روزمیرے گھرآئے تھے۔ میں ایک نئی پریشانی میں مبتلا ہوگئی۔ یہ میرے گھر کے بزرگ لوگ تھے۔ یعنی میرے چچا چچی۔ ماموں مامی اورمیرے چچا زاد بڑے بھائی۔ اوریہ لوگ میرے گھر میں اُسی وقت گروپ کی صورت میں تشریف لاتے تھے۔ جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہو۔ میرا دل ڈوب

گیا۔ اس رات میں نے محمود کے ساتھ کھانا کھایا۔ میری کوشش تھی کہ اُسے میرے وسوسوں کا علم نہ ہو۔ اُسکے سونے کے بعد میں اپنے کمرے میں آئی۔ سردیوں کی اس رات میں چاند کی روشنی میں ،میں صفائی سے اپنے باغیچہ کودیکھ سکتی تھی۔ جس سے مجھے بڑی الفت تھی۔ اپنے راحت کدہ سے مجھے بہت اُنس تھا۔

اب کیا میں اپنے گھر میں بھی رہنے کی مجاز ہوں گی یا نہیں؟ یہ ایک عجیب خیال تھا۔ کیونکہ ہمیشہ خاندان کی حفاظت اوروقاراس گھر میں میرا سرمایہ تھا۔بلاشبہ میں نے محسوس کیاکہ یہ خیال گویا ایک نبوت ہے۔ وہ قوتیں جومیرے خلاف صف آراء تھیں اورجنہوں نے اپنے آپ کو پہلے ہی سے میرے خاندان میں سے ظاہر ہونا شروع کردیا تھا۔ میں اُنہیں جانتی تھی۔ اگروہ سب یکایک میری مخالفت پراُترآئیں توکیا ہوگا؟

یقیناً اسی سبب سے خداوند میرے فوری بپتسمہ پر زوردے رہا تھا۔وہ مجھے جانتا تھاکہ میں کہاں سب سے زیادہ غیر محفوظ ہوں۔ میں کھڑکی میں کھڑی دیکھتی رہی۔ جھومتے ہوئے درختوں کے سائے میرے دریچوں پر پڑرہے تھے۔ میں نے دعا کی" اے خداوند میرے تمام رشتہ داروں کواکٹھے میرے گھرآنے سے بازرکھنا۔ میری منت ہے کہ وہ ایک ایک کرکے آئیں۔

جونہی میں نے یہ الفاظ ختم کئے دروازے پردستک ہوئی۔ سیڑھیوں کے نیچے ملازمہ ایک پیکٹ ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ کہنے لگی یہ ابھی ابھی موصول ہوا ہے۔ جلدی سے میں نے پیکٹ کھولا۔اس میں بائبل تھی۔ باہر کے صفحہ پر لکھا ہوا تھا"۔ ہماری پیاری بہن کے لئے اس کی سالگرہ پر"۔ نیچے مسٹر اور مسز اولڈ کے دستخط تھے۔ خدا کا ایسے اچھے دوستوں کے لئے شکر کرتے ہوئے میں نے اسے سینے سے لگالیا۔ پھرمیں نے اُسے کھولا اورمیری توجہ ایک صفحہ پر جم گئی جس پر یہ الفاظ میرے سامنے عیاں تھے۔ میں اُنہیں تتر بترکردوں گا اُس لمحہ ان الفاظ کا مفہوم میرے لئے ایک بھید تھا۔

آٹھواں باب

"کیا میں محفوظ تھی"؟

اگلی صبح اٹھنے پر میں ان خیالات میں تھی۔ آج دوبارہ خاندان کے لوگ آئیں گے۔یا توگروپ کی صورت میں یا ایک وقت میں ایک۔ بہر حال میں ان کا سامنا کرنے سے ہراساں نہ تھی۔ میں آنے والے الزامات قہر کی ڈانٹ ڈپٹ، اوردھمکیوں سے خوف زدہ تھی۔

علاوہ ازیں ،انہیں ضرر پہنچانے سے مجھے نفرت تھی۔ مجھے پورا یقین نہیں تھاکہ خدا میری درخواست کے مطابق کرے گا۔ میں نے ریشم سے کہا کہ میری سب سے نفیس ساڑھی لاؤ۔ میں نے سب سے دلکش ساڑی پہن لی۔ چوکیدار کوحکم دیاکہ آج میں ہرملاقاتی کوخوشی سے ملوں گی۔اورپھر میں ڈرائینگ روم کی سمت چلی گئی۔ وہاں میں سفید سلک کشن والی کرسی پر بیٹھ کرمطالعہ کرنے لگی۔ محمود میرے پاس اپنے کھلونوں کے ساتھ قالین پر کھیل رہا تھا۔ دھیرے دھیرے وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ دوپہر ہوگئی۔ میں نے سوچا، یوں لگتاہے کہ اُن کا مجھے ملنے کا پروگرام بعد ازدوپہر ہے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد محمود سونے کے لئے چلا گیا اورمیں انتظارکرتی رہی۔آخرکارتین بجے میں نے باہر ایک کار کے رکنے کی آوازسنی۔ میں سنبھل کربیٹھ گئی۔ جب کارواپس چلی گئی تومیں نے ملازموں سے پوچھا کہ کون تھا؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ کوئی چیزیں چھوڑنے آیا تھا۔

شام ہورہی تھی۔ ساڑھے سات بجے فون کی گھنٹی بجی، مسزاولڈ فون پر تھیں اُن کی آواز سے لگتا تھاکہ وہ فکرمند ہیں۔ میرے رشتہ داروں کی کل یلغار سے ظاہر تھا کہ میرے مسیحی ہونے کی خبر یقیناً پہلے ہی پھیل چکی ہے۔ مسزاولڈ نے میری خیریت پوچھنے کے بعداپنی فکرمندی کا اظہارکیا۔ میں نے اُسے یقین دلایاکہ میں بخیریت ہوں۔ اورپھر اُن کی فکرمندی کا سبب معلوم کرنے کے لئے اُن کے ہاں جانے کے لئے تیار ہوگئی میرا خیال تھاکہ اب خاندان میں سے کوئی ملنےنہیں آئے گا۔ یہ عجیب بات تھی کہ دن بھر نہ توان کی طرف سے فون آیا اورنہ وہ خودآئے۔

میں مسیحی خاندان سے یقین دہانی کرنا چاہتی تھی کہ آخر ہوا کیا ہے۔ مسزاولڈ نے اس قدررازدارانہ طورپر فون

کیوں کیا تھا؟ میں کارپرمسز اولڈ کے گھر گئی اوریہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ گھرمیں مکمل تاریکی تھی۔

پھر بالکل غیر متوقع طورپر میں چوکنی ہوگئی۔ اُس گیٹ پر کھڑے جواُن کے صحن کی طرف جاتا تھا۔ شدید خوف کی گرفت میں تھی۔ صحن کے تاریک کونوں میں سے تاریک خیالات میرے ذہن میں آرہے تھے۔ یقیناً رات کے وقت اکیلے آنے میں ،میں نے بے وقوفی کی ہے۔ میرا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ میں واپس لوٹنے کے لئے مڑی۔ میں خوف سے دوڑنے ہی والی تھی کہ میں رُک گئی نہیں! مجھے یوں نہیں کرنا چاہیے۔ اگرمیں خدا کی بادشاہی میں ہوں توبادشاہ کی حفاظت میں ہونا میرا حق ہے۔ خوفزدہ تاریکی میں کھڑے ابھی تک میں بہت ڈری ہوئی تھی۔ میں نے جرات کے ساتھ اپنے آپ کو واپس بادشاہوں کے بادشاہ کے ہاتھ میں دینا چاہا۔ میں نے باربار یسوع مسیح پکارنا شروع کردیا۔ یکایک خوف کے بندھن ٹوٹ گئے۔اُس کے آتے ہی خوف کا فور ہوگیا۔ میں آزاد تھی۔

اب مسکراتے ہوئے میں مسٹر اولڈ کے گھر کی طرف بڑھی۔ چند قدموں پرگرے ہوئے پردوں کے درمیان میں سے میں نے تھوڑی سی روشنی دیکھی۔ میں نے دستک دی۔ آہستہ سے دروازہ کھلا۔ میرے سامنے مسز اولڈ کھڑی تھیں۔ جب اُس نے مجھے دیکھا تواُس نے سکھ کا سانس لیا۔ اورمجھے اندرکھینچتے ہوئے مجھ سے بغل گیر ہوگئیں اُس نے مسٹر اولڈ کوآوازدی ایک لمحہ میں وہ آپہنچا۔ اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے" اے خدا تیرا شکر ہو" ہم آپ کے لئے فکرمند تھے۔ مسٹر اولڈ نے مجھے بتایاکہ میرے بپتسمہ کے موقع پر پاکستانی پادری میری حفاظت کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ اوراس کا کہنا تھاکہ آپ کواکیلے چھوڑنے میں ہم نے غلطی کی ہے۔ اپنے خوف کودبائے ہوئے میں ہنس دی۔ اورکہنے لگی" تواسی سبب سے ٹیلیفون پرآپ اس قدرفکرمند تھیں۔ مجھے توقع ہے کہ جلدی ہی میرے مسیحی ہونے کی خبرملک بھرمیں پھیل جائے گی۔

بہر صورت میں آپ کی شکرگزارہوں۔ ابھی تک توکچھ ہوا نہیں یہاں تک کہ میرے خاندان نے بھی کوئی توجہ نہیں

دی۔ اورآپ کو شائد معلوم نہیں کہ میں اپنی دعا کے جواب کے لئے کس قدر شکرگزار ہوں۔ مسٹر اولڈ کے کہنے پر ہم سب دعا کے لئے ان کے کمرے میں آگئے۔ ہم نے گذشتہ دنوں کی حفاظت کے لئے شکر کیا اورآئندہ ایام کواس کے ہاتھ میں دے دیا۔

میں خوشی خوشی گھر لوٹ آئی۔ خوف کے روبرو میں نے یسوع کے نام کی قدرت کودیکھا تھا۔ نوکروں نے کہا کہ شام کو کوئی ٹیلیفون نہیں آیا تھا۔ سونے کی تیاری کرتے وقت میں نے سوچاکہ دیکھو کل کیا ہوتا ہے۔ پھر دن بھر ڈرائنگ روم میں منتظر رہی۔ یہ وقت دعا کرنے سوچ وبچار کرنے اورمطالعہ کرنے میں بسر کیا۔ کس سے کوئی پیغام نہ آیا۔ میں اس سبب سے حیران تھی۔ نوکروں سے پوچھ گچھ کرنے پر معلوم ہواکہ تمام افراد عجیب طورپر مصروف ہوگئے ہیں۔ میری دعا کے جواب اوراپنے وعدہ کے مطابق خداوند نے سب کو تتر بتر کردیا تھا۔ میں اپنے باطن میں خداوند کوخوشی کومحسوس کررہی تھی۔ میں نے محسوس کیاکہ میرے خاندان کے لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑدیں گے اورہوسکتا ہے کہ ایک ایک کرکے آئیں گے۔

اوراسی طرح ہوا۔ سب سے پہلے میری آنٹی تشریف لائیں۔ اُنکی عمر کوئی ستر برس کی تھی۔ میں اُن کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئی۔ میرا محبت اوربھروسے میں ان سے قرینی تعلق تھا۔ اس دفعہ اُن کا چہرہ بہت اُداس تھا۔ تھوڑی دیر ہم نے عام گفتگو کی بلاآخر وہ اپنی ملاقات کے اصلی مدعا کی طرف آئی۔ گلہ صاف کرتے ہوئے قدرے تردد سے پوچھنے لگیں۔ بلقیس میں نے سنا ہے کہ تم مسیحی بن رہی ہو۔ کیا یہ سچ ہے؟ جواب میں ،میں محض مسکرائی۔

بے قراری سے اُنہوں نے اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا ، مجھے گمان تھاکہ لوگ آپ کے بارے میں جھوٹی افواہیں پھیلارہے ہیں۔ اُس نے اپنی نگاہیں میری طرف لگائیں جن میں توقع تھی کہ میں کہدوں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے کہا" آنٹی آمنہ! یہ سچ ہے کہ میں نے مسیح کو اپنی زندگی دے دی ہے۔ میں نے بپتسمہ بھی لے لیا ہے۔ اب میں مسیحی ہوں"۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لئے اورچلاتے

ہوئے بولی کہ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ ایک لمحہ کے لئے وہ ساکت بیٹھی رہی اورکچھ نہ کہہ سکی۔ پھر آہستگی سے اپنی شال اوڑھی اوربڑے قہر میں میرے گھر سے رخصت ہوگئی۔

میں بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔ مگرمیں نے خداوند سے دعا کی کہ خداوند انہیں ہر نقصان سے بچا کرصراط المستقیم دکھائے۔ میں نے اپنے خاندان کے لئے خیروبرکت کی دعا کی۔ میں نے خداوند کا شکربھی ادا کیا۔میں نے دعا کی کہ کاش میرا خاندان مجھے صحیح طورپر سمجھ جائے۔

اگلے روز پھربھی دعا کی۔ اس باریہ اسلم کے لئے تھی۔ اسلم میرا چچازاد بڑا بھائی تھا۔ مجھے ملنے آیا تھا۔ یہ ایک وکیل تھا اورواہ سے کوئی ۴۵میل کے فاصلے پررہتا تھا۔ میرے چچا زاد بھائی کی حیثیت سے کردارمیں اسے بہت سی باتیں ورثہ میں میرے باپ سے ملی تھیں۔ وہی گرم جوش مسکراہٹ اورمزاحیہ گفتگو میں اسلم کو پسند کرتی تھی۔ اُس کے رویہ سے مجھے یقین تھاکہ اُس نے میرے معاملہ کی تمام تفصیلات نہیں سنی تھیں۔ ہم نے چند خوشگوار باتیں کیں۔ پھراسلم کہنے لگا خاندان کب اکٹھا ہورہا ہے؟ میں آپ کو لینے آجاؤں گا ہم اکٹھے چلیں گے۔ قہقہہ لگاتے ہوئے میں نے کہا اسلم میں نہیں جانتی کہ خاندان کب اکٹھا ہوگا۔ مگر میں ضرورجانتی ہوں کہ مجھے دعوت نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ اجتماع میرے متعلق ہوگا۔ وہ بہت پریشان ہوا۔ میں جانتی تھی کہ مجھے ہربات بیان کرنا ہوگی۔ لیکن میں نے کہا" اسلم" میری بات سننے کے بعد آپ اجتماع پر ضرورجائیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ مناسب الفاظ میں مجھے پیش کرسکیں۔ افسردگی میں وہ میرے گھر سے روانہ ہوگیا۔ میں نے سوچا بات بڑھتی جارہی ہے۔ ضروری ہے کہ میں روالپنڈی اورلاہور جاؤں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ ٹونی اورمیرا بیٹا خالد کسی اوررنگ میں میرے بارے میں افوائیں سنیں۔

بذاتِ خود اپنی بیٹی خالدہ کے بارے میں ،میں کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ وہ افریقہ میں مقیم تھی۔ مگرمیں خالد اورٹونی سے ملاقات کرسکتی تھی۔ لگے ہی روزمیں لاہور کی طرف روانہ ہوئی۔ خالد کے گھر سے عیاں تھا کہ اس کی تجارت خوب چمک رہی ہے۔ ایک قصبہ میں اُس کا عالیشان بنگلہ تھا۔ جس میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

ہم اُس کے گیٹ میں سے اندرگئے اورکارپارک کرکے بڑے برآمدہ کی طرف چل دئیے۔ خالد جوخاندان کی وجہ سے اورٹیلیفون پر میری طویل گفتگو کے سبب سے کافی چوکنا ہوگیا تھا، مجھے خوش آمدید کہنے کے لئے جلدی سے باہرآیا۔ کہنے لگی امی! میں آپ سے مل کرکس قدرمسرورہوں۔ میں نے محسوس کیاکہ مجھے خوش آمدید کہتے ہوئے وہ تھوڑی جھجھک محسوس کررہا تھا۔ بعد ازدوپہر میں نے جوکچھ کہا تھا اس کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ مگراختتام پر میں جانتی تھی کہ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

اب ٹونی سے ملاقات کی باری تھی۔ میں روالپنڈی کے لئے چل دی۔ اورسیدھی ہسپتال جاپہنچی اورٹونی سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ انتظارکرتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ اُسے اس معاملہ کی خبرکیونکردوں۔ بلاشبہ پہلے ہی وہ کہانیاں سن چکی ہوگی۔ وہ پہلے ہی آگاہ تھی کہ میں بائبل کا مطالعہ کررہی ہوں۔ ہوسکتاہے کہ کیتھولک ڈاکٹر سے میری گفتگو کا بھی اُسے پتہ ہوجو اُس وقت ہوئی تھی۔جب محمود اس ہسپتال میں داخل تھاایک بات سے وہ یقیناً ناواقف تھی کہ ڈاکٹر سینٹو آگوسے ایک ملاقات کیونکر زندگی تبدیل کرسکتی تھی۔ اس نن نے مجھے جرات دلائی تھی کہ میں خدائے تعالیٰ کوباپ کہہ کرپکاروں۔

ممی! ٹونی نے جلدی جلدی میری طرف آتے ہوئے مجھے آواز دی۔ سفید یونیفارم میں وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پرایک چمک تھی۔ اورملاپ کے لئے اُس کے بازوکھلے تھے۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میں اٹھی۔میں اُسے اپنی تبدیلی کے بارے میں کیونکر بتاؤں ۔ میں نے اپنی بات بتانے کے لئے نرم الفاظ کی تلاش کی مگرٹونی کے روبرو میں بے بس تھی۔ میں نے سیدھے سادے الفاظ میں کہا" ٹونی" ایک انوکھی خبر سننے کے لئے تیارہوجاؤ۔ دوروزہوئے میں نے بپتسمہ لے لیا ہے۔ ٹونی پرسکتہ طاری تھا اوراس کی آنکھیں اشکوں سے لبریز تھیں۔وہ میرے ساتھ والی نشست پربیٹھ گئی اورایسی دھیمی آوازمیں بولی جسے میں بمشکل سن سکتی تھی۔ وہ کہنے لگی کہ اس کے آثارپہلے سے نظرآرہے تھے۔ میں نے اسے دلاسہ دینے کی ناکام کوشش کی۔ ٹونی کہنے لگی کہ بہتر ہے میں کام سے چھٹی کرلوں۔ پس اُس نے جلدی

گھرجانے کی اجازت لے لی۔ اورہم اکٹھے اُس کی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ جونہی ٹونی نے دورازہ کھولا اُس کے فون کی گھنٹی بجی۔ جلدی سے اندرجاکر اُس نے ٹیلیفون اٹھایا اور میری طرف متوجہ ہوکر کہنے لگی کہ نینا کا فون ہے۔ اُس نے میرے بارے میں پوچھا ،ٹونی نے دھیمی آوازمیں بتایا کہ یہ سچ ہے۔اُس نے غصہ سے فون نیچے رکھ دیا۔ ٹونی نے ٹیلیفون اپنے کان سے ہٹایا۔ میری طرف ایک نگاہ کی اورپریشانی میں نیچے رکھ دیا۔ میں نے وقتی طورپر چُپ رہنے میں بہتری سمجھی اپنی چیزیں سنبھالیں اورچل دی۔ جاتے ہوئے میں نے کہا جب جی چاہے آجانا پھرہم بات کریں گے۔ ٹونی نے مجھے نہ روکا۔ بس چند منٹ میں گھرکی طرف رواں دواں تھی۔

میرے گھر پہنچتے ہی نوکر میرے گرد جمع ہوگئے۔ نورجہاں اپنے ہاتھ مل رہی تھی۔ ریشم کا چہرہ بھی معمول سے زیادہ زرد تھا۔سارا دن فون آتے رہے ہیں۔ ابھی نوکر یہ سب بتارہی ہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ یہ میری بہن کے شوہر جمیل تھے۔ جوایک برطانوی تیل کمپنی میں ملازم تھے۔ میں نے ہمیشہ جمیل کودنیادارآدمی خیال کیا تھا مگراب اس کی آوازمیں فرق تھا۔ اس نے کرخت لہجہ میں کہا بلقیس ! میں نے ایک عجیب سی بات سنی ہے جس کا مجھے یقین نہیں آتا۔میرے ساتھ کام کرنے والے ایک دوست سے میں نے سنا ہے کہ تم مسیحی ہوگئی ہو۔ بلاشبہ میں اُس پر ہنسا اوراُسے یقین دلایاکہ یہ ہرگزنہیں ہوسکتا۔ یہ خبرمنگل کی آگ کی سی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ میں نے کچھ نہ کہا۔ جمیل نے زوردارلہجہ میں کہا! یہ داستان سچی تونہیں ہے نا؟ میں نے جواب دیاکہ یہ سچ ہے۔ ایک بارپھر خاموش ۔۔۔۔ ٹھیک بس ٹھیک ہے۔ جمیل نے تڑاک سے جواب دیاآپ کومعلوم نہیں کہ آپ نے کیا کھویا ہے۔ اورکس لئے ؟ محض ایک اورمذہبی نکتہ نظر کے لئے۔

دس منٹ بعد ٹونی کا فون آیا۔ وہ سسکیاں لے رہی تھی۔ ممی! انکل نوازابھی یہ کہتے آئے تھے کہ اب محمود کا والد اُسے واپس لینے کا مجاز ہے۔ نوازکا کہنا ہے کہ کوئی عدالت یہ اجازت نہیں دے گی کہ آپ اُسے اپنے پاس رکھ سکیں۔ میں نے اُسے دلاسہ دینے کی کوشش کی مگراُس کی سسکیاں جاری رہیں۔

اسی شام کچھ دیر بعد جب میں محمود کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھی تھی توٹونی اورمیری دوبھانجیاں گھر میں داخل ہوئیں۔ میں ان کے زردچہروں کودیکھ کرپریشان سی ہوگئی۔میں نے کہا کھانا کھائیں گی؟ وہ ہمارے ساتھ کھانے میں شامل ہوگئیں۔میں ان دوجوان لڑکیوں کی ملاقات سے خوش تھی۔ مگرظاہر تھاکہ وہ مجھ سے ناخوش تھیں۔ گفتگو میں روکھا پن تھا۔یہ تینوں لڑکیاں محمود کی طرف تکتی رہیں کہ وہ کب کھیلنے کے لئے باہر جائے۔ اُس کے جانے کے بعد ایک بھانجی پریشانی کی حالت میں آگے بڑھتے ہوئے کہنے لگی" آنٹی کیا آپ نے یہ جانا ہے کہ دوسرے لوگ اس سے کیا سمجھیں گے؟ وہ آنسوؤں کے ساتھ رونے لگی۔کیاآپ نے کسی اورکے بارے میں بھی سوچا ہے؟ اس کے ساتھ خاموشی سے بیٹھی ہوئی دوسری بھانجی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے ہاتھ بڑھاکراس کا ہاتھ تھام لیا میں نے افسردگی سے کہا میری پیاری مجھے فرمانبرداری کرنا لازم تھا۔

ٹونی نے اشکوں سے لبریز آنکھیں میری طرف اٹھائیں گویا کہ اُس نے میرا کوئی لفظ نہیں سنا اورمیری منت کرنے لگی امی!آپ سامان لیں اوروقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں سے چل دیں۔

قدرے بلند آواز میں کہنے لگی کیا آپ جانتی ہیں کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ پر حملہ ہوگا! ہوسکتا ہے کہ آپ کا اپنا بھائی ہی آپ کے خلاف کارروائی کرے ! وہ پھر سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ امی میرے ملنے والے کہتے ہیں کہ آپ کو قتل کردیا جائے گا۔

میں نرم لہجہ میں بولی، ٹونی مجھے افسوس ہے ،مگر میں ڈرکے بھاگنے والی نہیں ہوں۔ اگرمیں اس وقت چلی جاؤں تومیں اپنی باقی زندگی دوڑتی ہی رہوں گی۔ یہ کہتے ہوئے میرے باطن میں ایک ارادہ نے جنم لیا۔ اگرخدا کی یہ مرضی ہے تووہ اسی گھر میں میری حفاظت کرسکتا ہے۔ اورکوئی مجھے اس گھر سے نہیں نکال سکتا۔ بڑے انوکھے اندازمیں اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے میں نے کہا۔ اُن کو مجھ پر حملہ کرنے دو!۔

اورپھر وہاں بیٹھے بیٹھے میں نے خدا کی قربت سے اپنے آپ کو جدا ہوتے محسوس کیا۔ میں بیچارگی کے عالم میں

تھی۔ اورمیرے کانوں میں میری اپنی ہی آواز گونج رہی تھی۔ لیکن اچانک میں نے پہچان لیا کہ کیا ہوا ہے۔ پُرانی بلقیس نے اپنی مغروری اورگھمنڈ سے اپنی زندگی کا قبضہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ میں فیصلہ کررہی تھی کہ چاہے کچھ بھی ہومجھے کوئی اس گھر سے نہیں نکالے گا۔ میں آرام سے کرسی پر بیٹھ گئی اورمجھے اس کا بھی پتہ نہ چلا کہ ٹونی مجھ سے مخاطب ہے۔

اچھا ممی !ٹھیک ہے ٹونی نے روتے ہوئے کہا آپ مسیحی توہوہی گئی ہیں اوراب آپ مسیحی شہید بننا چاہتی ہیں؟ وہ میری کرسی کے پاس دوزانوہوگئی اوراپنا سرمیرے کندھے پر رکھ دیا۔ کیا آپ کوکوئی پتہ نہیں کہ ہم آپ سے پیار کرتے ہیں۔ پیارسے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے میں نے کہا، میری پیاری ، بلاشبہ میں جانتی ہوں۔ خاموشی سے میں نے اپنی مغروری کے لئے خداوند سے معافی مانگی اورعہد کیاکہ جہاں کہیں وہ مجھے لے جانا چاہے میں جاؤں گی۔ اگرچہ مجھے ایسا کرنے میں گھر بھی کیوں نہ چھوڑنا پڑے اس اقرار اورعہد کے ساتھ ہی پھر میں خدائے برحق کی قربت کو محسوس کررہی تھی۔ اس ساری تبدیلی میں چند منٹ لگے۔ اگرچہ یہ تینوں میرے سامنے بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔ میں باخبر تھی کہ ایک اورسطح پر زندگی حرکت میں ہے۔ خداوند اس جگہ موجود تھا اوراسی لمحہ مجھ پر کام کررہا تھا اورمجھے سکھارہا تھا۔ اپنی قربت میں رکھنے کے لئے اس کا ہاتھ مجھ پر تھا۔ ٹونی بول رہی تھی اورمجھے اپنے خیال کے ساتھ متفق ہونے کے لئے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ بات جاری رکھتے ہوئے اُس نے اگرمحمود کا باپ اُس کا پیچھا کرے توکیا آپ مجھے بچے کول ے جانے کی اجازت دیں گی۔ اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی" میں تومسیحی نہیں ہوں" آخرکار تینوں لڑکیاں خاموش ہوگئیں۔ میرے کہنے پر وہ رات کومیرے ہاں رہنے کے لئے رضا مند ہوگئیں۔ جونہیں میں نے ٹونی اوراپنی بھانجیوں کوشب بخیر کہا مجھے خیال آیا کہ ہمارا کردارکیسے تبدیل ہوچکا تھا۔ کوئی وقت تھا کہ میں ان کی حفاظت کے بارے میں اس قدر فکرمند تھی۔ اب ہم ایک دوسرے کے بارے میں فکرمند تھیں۔

اُس رات میں نے دعا کی کہ خداوند کس قدر مشکل ہے۔ ایسے شخص سے بات کرنا جس کا تجھ پر ایمان نہیں ہے۔

براہ کرم میرے میرے خاندان کی مدد فرما۔ میں اپنے عزیزوں کی بہبودی کے لئے کس قدر فکرمند ہوں۔

جونہی میں سوئی تو مجھے محسوس ہوا کہ گویا میرا بدن پرواز کررہا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو ایک گھاس کی ڈھلوان پر کھڑے پایا۔ میرے چاروں طرف صنوبر کے درخت تھے۔ ایک چشمہ میرے قریب ہی پھوٹ رہا تھا۔ میرے چاروں طرف فرشتگان تھے۔ وہ انگنت تعداد میں تھے۔ میں ایک نام سنتی رہی" مقدس میکائیل" اس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی۔ اورپھر میں واپس اپنے بستر میں تھی۔ میں جاگنے پر بھی اس روحانی قوت کو محسوس کرسکتی تھی۔ میں محمود کے کمرے میں گئی اورپھر اپنی بیٹی اوربھانجیوں کے کمروں کی طرف گئی اوران کی طرف اشارہ کیا۔ اوراپنی خوابگاہ میں واپس جاکر خدا کے حضور دوزانوں ہوگئی۔ میں نے دعا کی اے خداوند تو نے مجھے بہت سے جواب دئیے ہیں۔ اب میری دعا ہے کہ مجھ پر ظاہر کرکہ تومحمود کے ساتھ کیا کرنے والا ہے۔ میں نے ٹونی کوجواب دینا چاہتی تھی۔

میں نے بائبل کھولنے کی تحریک محسوس کی اوریہ حوالہ میرے سامنے آگیا(پیدائش ۱۲: ۲۲)۔

تواپنا ہاتھ لڑکے پر چلا اورنہ اُس سے کچھ کر۔۔۔۔

میں نے لمبا سانس لیتے ہوئے کہا" اے باپ میں تیرا شکرکرتی ہوں"۔

ناشتہ پر میں اس قابل تھی کہ ٹونی کویقین دلاؤں کہ اس کے بیٹے کوکوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ آپ کو ہرگز فکر کی ضرورت نہیں"۔

میں نے کلام کا حوالہ اُسے دکھایا جومجھے ملا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ یہ میرا اعتقاد تھا یا ٹونی کوروح القدس نے چھویا تھا۔ مگراس کے چہرے پراطمینان تھا اوردوروزمیں وہ پہلی بارمسکرائی تھی۔ میری بیٹی اوردونوں بھانجیاں اُس روز اُداسی کی حالت میں میرے گھر سے رخصت ہوئیں۔ مگردوسرے رشتہ داروں کا تانتا جاری رہا۔

چند روز بعدایک دن ریشم نے بتایا کہ سیڑھیوں کے نیچے کچھ عزیز جن کی تعداد سات تھی مجھ سے ملاقات کے خواہشمند ہیں میں محمود کے بغیر انہیں ملنا نہیں چاہتی

تھی۔ جوکچھ ہورہاتھا لڑکے کو اس کا علم ہونا چاہیے۔ اسے ہمراہ لیتے ہوئے ہم سیڑھیوں سے نیچے ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔ وہاں یہ ساتوں بڑے تکلف کے ساتھ اپنی جگہوں پر براجمان تھے۔ چائے کیک وغیرہ کھانے کے ساتھ ساتھ مختصر گفتگو کے بعدان میں سے ایک بات کرنے کے لئے تیار ہوا۔ میں متوقع گفتگو سننے کے لئے مستعد ہوگئی۔ ایک عزیز جس کو میں بچپن سے جانتی تھی کہنے لگے بلقیس ہمیں آپ سے پیار ہے اورجوکچھ آپ نے کیا ہے اس پر ہم سوچ بچار کرتے رہے ہیں۔ اورہم ایک تجویز آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں جوہمارے خیال میں آپ کی معاون ہوگی۔

جی ہاں ! وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگے کہ اچھا ہے کہ آپ اپنے مسیحی ہونے کوکسی پر ظاہرنہ ہونے دو۔

آپ کا مطلب ہے کہ میں اپنے ایمان کو راز میں رکھوں۔"ہاں" میں نے کہا" میں موت کے ڈرسے اپنے ایمان کوراز میں نہیں رکھ سکتی" میں ان سات بزرگوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ میرے باپ کے ایک پُرانے دوست نے گھوتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ میں اس کی طرف اُسی انداز سے دیکھنے والی تھی کہ میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ آخر وہ اپنے طورپر میری فلاح کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

میں نے کہا مجھے اُفسوس ہے کہ میں آپ کی خواہش کے مطابق نہیں کرسکتی ہوں۔ مختصر طورپر میں نے کہا۔ میرا ایمان ایک ماہ کے تھوڑے عرصے میں میری زندگی کا سب سے اہم سرمایہ بن گیا ہے میں اس کے بارے میں بالکل خاموش نہیں رہ سکتی۔ میں نے اُنہیں کلام میں سے وہ آیت بتائی جہاں لکھا ہے"۔

پس جو کوئی آدمیوں کے سامنے میرا اقرارکرے گا میں بھی اپنے باپ کے سامنے جوآسمان پر ہے اُس کا اقرارکروں گا۔ مگر جوکوئی آدمیوں کے سامنے میرا انکارکرے گا میں بھی اپنے باپ کے سامنے جوآسمان پر ہے اس کا انکاروں کروگا"۔(متی ۱۰: ۳۲، ۳۳)۔

ایک اوربزرگ کہنے لگا مگرآپ کا ماحول فرق ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے خاموش رہنے سے آپ کا خدا ناخوش نہیں ہوگا۔ تواُسے پتہ ہی ہے کہ آپ کا اُس پر اعتقاد ہے اوریہ کافی ہے۔ اس نے اسلام سے پھرجانے سے متعلق قرآن سے ایک

حوالہ دیا اورکہنے لگاکہ ہمیں ڈرہے کہ اس پر عمل کرتے ہوئے کوئی آپ کو قتل نہ کردے۔ اُنہوں نے کہا دیکھا یہ بحث لاحاصل ہے جب وہ جانے کے لئے اٹھے تومجھے الٹی میٹم دے دیا گیاکہ " بلقیس یادرکھو اگرتم کسی مشکل میں پڑجاؤ توتمہارے عزیزوں اورخاندان میں سے کوئی تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔ جوایک وقت سب سے زیادہ میرا خیال کرتے تھے انہیں منہ پرپھیرلینا ہوگا۔

سرہلا کر میں نے بتایا کہ میں ان کےا لفاظ کوخوب سمجھتی ہوں۔ اب میری خواہش تھی کہ اچھا ہوتا کہ میں محمود کوباغ میں کھیلنے کے لئے بھیج دیتی اوروہ یہ سب نہ سنتا۔ اپنے پاس چھوٹی کرسی پر بیٹھے میں نے اُس کی طرف دیکھا تووہ مسکرایا گویا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ سب ٹھیک ہے۔

اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ رخصت ہوتے وقت میری ماں کی قریبی سہیلی نے مجھے بوسہ دیا اورکہا" خدا حافظ" دوبارہ خدا حافظ کہنے کے ساتھ ہی وہ پھوٹ پھوٹ کرروئے لگی۔ جلدی جلدی کمرے سے باہر چلی گئی۔ ان کے جانے کے بعدگھر ایک قبر سے کم نہ تھا۔ یہاں تک کہ محمود کی کھیل کود کا شوربھی مدھم پڑگیا تھا۔ تین ہفتے گزرگئے میرے گھر میں صرف نوکروں کی آوازسنائی دیتی تھی۔ اگر مچل اور اولڈ کے ہاں اتوارکی مسلسل عبادتیں نہ ہوتیں توشائد میں اپنے مسیحی عقیدے پرقائم نہ رہ سکتی۔

ہرروزخاندانی کشیدگی بڑھتی جاتی تھی جب میں اپنے چچا زاد بھائی سے بازارمیں ملی تواُس کے چہرے پر قہرعیاں تھا۔ جب میں راولپنڈی کی ایک گلی سے گذری تومیں نے اس خاندانی جنگ کو اپنے بھانجے کی نفرت انگیز نگاہوں میں محسوس کیا۔ یہی جنگ میری آنٹی کی اس کرخت آوازمیں تھی۔ جب اس نے کہا کہ میں تیرے ساتھ کھانا کھانے نہیں آسکتی۔ قطع تعلقی کا آغازہوچکا تھا۔ میرا ٹیلیفون کم آتا تھا اورمیرے پھاٹک کی گھنٹی بھی خاموش تھی۔ خاندان کا ایک ممبربھی مجھے بلانے یا ملامت کرنے نہ آیا۔ میں قرآن کی یہ آیت یادکررہی تھی۔(سورہ محمد ۲۲: ۲۳)۔

"اگریہ لوگ خدا سے سچے رہنا چاہتے توان کے لئے بہت اچھا ہوتا۔ تم سے عجب نہیں کہ اگرتم حاکم ہوجاؤ تومُلک

میں خرابی کرنے لگو اوراپنے رشتوں کو توڑڈالو۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اوران کو بہرا اوراندھا کردیا ہے"۔

بڑی صفائی سے میں اس کی عملی صورت دیکھ رہی تھی میں نے خونی بندھنوں سے بغاوت کی تھی۔ اوربلاشبہ میں اپنے خاندان سے نہیں مل سکوں گی اورنہ ہی اب اپنے خاندان سے متعلق کچھ سنوں گی۔

نوکر بھی میری خدمت میں بہت سنجیدہ اورخاموش تھے ۔ میں بمشکل ان سے ہاں کے سوا کچھ اورسن سکتی تھی اورپھر ایک صبح قطع تعلقی نے ایک انوکھا روپ لے لیا۔ میں نورجہاں اورریشم کے خاموش لہجہ اورچہرے پر اُداسی کے سبب سے پریشان تھی یہ ان کی طبعیت کے برعکس تھا۔ ریشم معمول سے زیادہ سنجیدگی سے کام کررہی تھی۔ اپنے کام میں مشغول بالکل خاموش تھیں۔ ان کے چہروں کے تاثرات سے میں فکرمند تھی۔

میں نورجہاں سے کچھ سننے کی منتظر تھی۔ مگرخلافِ معمول وہ خاموشی سے کام میں مگن رہی۔ ریشم کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ اچانک میں کہنے لگی، مجھے یوں لگتا ہے کہ گڑبڑہے۔ کیا میں جان سکتی ہوں۔ صفائی بند ہوگئی اورمجھے یہ خبر ملی کی ریشم کے سوا جواس وقت میرے روبرو کھڑی تھی، میرے تمام مسیحی نوکر جن میں منظوربھی شامل تھا آدھی رات کے قریب میرے گھر سے بھاگ گئے تھے۔

نواں باب

"قطع تعلقی"

اس سرتابی کا کیا مطلب تھا؟ چارملازم بتائے بغیر فرار ہوگئے!واہ کے اس قصبہ میں جہاں بے روزگاری عام تھی ، نوکری چھوڑنے کے فیصلے کوسمجھنا محال تھا۔

بلاشبہ یہ خوف تھا، منظورکو یہ ڈرتھا کہ میں نے اسے بائبل لانے کو کہا تھا اوراُسے کارپر مشنریوں کے گھروں میں لے گئی تھی۔دوسرے تین مسیحی نوکروں نے شائد اس کی پیروی کی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اُنہوں نے افواہیں سنی ہوں کہ آتشِ فشاں کسی وقت بھی پھٹ سکتاہے۔ اوروہ اس کے لاوے کی زد سے باہر نکل جانا چاہتے تھے۔

مگرریشم کی کیا حالت ہے۔ اس مسیحی ملازمہ ریشم کو کیا ہوا جوابھی تک یہیں تھی اورکانپتے ہوئے ہاتھوں سے میرے بالوں کو سنوار رہی تھی۔ میں نے پوچھا" آپ کیوں نہیں گئیں؟" بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے اورہونٹ چباتے ہوئے کہنے لگی غالباً مجھے یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ابھی بات اُس کے منہ میں ہی تھی کہ میں نے کہا کیا میں اکیلی رہ جاؤں گی؟ تھوک نگلتے ہوئے اس نے کہا" ہاں"

آپ خوفزدہ ہیں نا! ریشم اگرآپ بھی مجھے چھوڑدیں تومجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔ جیسے میں نے فیصلہ کیا ہے اُسی طرح آپ کوبھی فیصلہ کرنا ہوگا۔ اگرتم میرے ساتھ رہو تو یادرکھو کہ سیدنا عیسیٰ مسیح نے ہمیں کہا ہے کہ ہمیں اس کی خاطر ستایا جائے گا۔ ریشم نے سرہلایا اس کی سیاہ آنکھوں میں آنسو تھے۔ اپنے منہ سے سر کی پن نکالتے ہوئے اورمیرے بالوں میں لگاتے ہوئے افسردگی سے کہنے لگی " میں جانتی ہوں" دن بھر ریشم خاموش رہی۔ اس کے رویہ سے نورجہاں متاثر تھی۔ وہ بے چینی کی حد تک پہنچ رہی تھی۔ دوسری صبح جب میں اٹھی توخادمہ بلانے کی گھنٹی بجانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اب میرے ساتھ کون ہوگا۔ میری خوابگاہ کا دروازہ آہستہ سے کھلا اورنورجہاں اندرآئی۔ پھرسردیوں کی صبح کی مدھم روشنی میں کوئی آیا یہ ریشم تھی۔

بعد میں ،میں نے اُسے بتایا کہ ان کے ساتھ رہنے کو میں کس قدر سراہتی ہوں۔ خوشی سے وہ کھل گئی اورمجھے عمر کی درازی کی دعا دینے لگی۔ جیسے آپ خداوند کی خدمت کرتی ہیں، اسی طرح میں بھی آپ کی خدمت کرتی ہوں۔

میرے مسیحی نوکروں کے جانے کے بعد میرے گھر کی خاموشی اوربھی بڑھ گئی۔ کیونکہ میں نے ان کی جگہ اورنوکر نہ رکھا تھا۔ اب میری ضروریات اورسادہ تھیں۔ کیونکہ کوئی خاندان کا فرد نہیں آتا تھا میں نے فیصلہ کیا کہ وقتی طورپر مسیحیوں کوملازم نہ رکھا جائے۔ میں نے ایک نیا مسلم ڈرائیوراورایک نیا معاون باورچی رکھ لیا۔

میں خاص طورپر محمود کے لئے خوش تھی جوگھر میں یا باغ میں بخوشی کھیلتا رہتا تھا۔ میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ گاؤں سے دوستوں کو بلاسکتا ہے۔ اس تجویز کو محمود نے جلدی سے قبول کرلیا۔ بہت سے بچے جومحمود سے عمر میں کچھ بڑے تھے آنے لگے۔ مگر وہ سب پر حکم چلا تا تھا۔ یہ گمان نہیں کرتی تھی کہ یہ محض اس لئے تھا کہ وہ اُن کا مہمان نواز تھا بلکہ یہ سات سوبرس کے وہ لیڈر تھے جن کا خون اس بچے کی رگوں میں رواں دواں تھا۔ اوراس کی آنکھوں کی جھلک دیکھنے سے انکار محال تھا۔ اس وقار کو میں کس قدر مجروح کررہی تھی۔ اس لڑکے کے خاندانی بندھنوں کے لئے میں کس طرح قدرخطرے کا باعث تھی۔ ابھی کل ہی اس نے پوچھا تھا کہ کیا اس کا چچا زاد بھائی کریم اسے مچھلی کے شکار کے لئے لے جاسکتا ہے۔ کریم نے محمود کومچھلیاں پکڑنے کے گرسکھانے کا وعدہ کیا تھا۔محمود نے پوچھا" ممی کریم کب آئے گا؟" میں نے لڑکے پر نگاہ کی۔ اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اورمیرے پاس یہ کہنے کی جرات نہیں تھی کہ اس کے مچھلی پکڑنے والی پارٹی کبھی نہیں آئے گی۔محمود کا مسیحیت کی طرف ابھی کوئی رجحان نہیں تھا۔ میں اسے بائبل کی کہانیاں پڑھ کرسناتی تھی۔ اوروہ انہیں اس قدرچاہتا تھا کہ میں نے اس کا سونے کا وقت آٹھ کی بجائے ساڑھے سات کردیا۔ پس کہانیاں سنانے اورسننے کے لئے ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ مگرچند کہانیاں مچھلی کے شکار کے مقابلے میں کچھ نہیں تھیں۔ آہستہ آہستہ محمود کے دوست آنے بند ہوگئے۔

محمود یہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اورجب میں نے یہ اسے بیان کیا تو وہ پریشانی کی حالت میں میری طرف تکنے لگا۔ کہنے لگا" ممی آپ کس کو زیادہ پیارکرتی ہیں۔ مجھے یا عیسیٰ مسیح کو؟ مجھے کیا جواب دینا چاہیے۔ خاص طورپر اس وقت جب وہ تنہا تھا۔ میں نے کہا محمود" خدا کا مقام پہلا ہے"۔ اگرہم خاندان کو اس سے زیادہ پیارکریں توہم حقیقت میں اُس کے نہیں ہوسکتے۔ لازم ہے کہ ہم خدا کو پہلا درجہ دیں۔یہاں تک کہ ان سے بھی زیادہ درجہ جن کو ہم دنیا میں سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔

یوں لگتا تھا کہ محمود نے اسے قبول کرلیا ہے۔ جب میں اس کے لئے بائبل پڑھتی تومعلوم ہوتا تھاکہ وہ غور سے سنتا ہے ایک دفعہ جب میں اس کے سامنے یہ پڑھ چکی۔

"اے محنت کے اٹھانے والو اوربوجھ سے دبے ہوئے لوگوسب میرے پاس آؤ میں تم کوآرام دوں گا"۔

تومیں نے اس کے سونے کی دعا سنی ۔ اے عیسیٰ مسیح میں آپ کوپیارکرتاہوں۔ مگر۔۔۔مہربانی سے مجھے آرام نہ دینا۔ مجھے آرام کرنا پسند نہیں۔ وہ اپنے ہاتھ جوڑتا اوردعا کرتا۔لیکن میں جانتی تھی کہ اس کے لئے تنہا رہنا اورمجھے تنہا دیکھنا مشکل تھا۔ اب کوئی رشتہ دار، دوست یا جان پہچان ہمارے گھر کی طرف نہیں آتا تھا۔ فون کی گھنٹی بھی نہیں بجتی تھی۔

پھرایک صبح تین بجے میرے بستر کے قریب پڑے ہوئے سفید فون کی گھنٹی بجی۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میں فون کی طرف بڑھی اس وقت کسی کا فون نہیں آسکتا جب تک خاندان میں کوئی موت واقع نہ ہوگئی ہو۔ میں نے فون اٹھایا اورپہلے صرف زورزور سے ہانپنے کی آوازآئی۔ پھر ایک پتھر کی طرح تین الفاظ مجھے مارے۔ کافر، کافر، کافر، فون بند ہوگیا۔ میں اپنے بستر پر پڑی رہی۔ آخر یہ کون تھا؟

شائد اُن سرپھروں میں سے کوئی ہوجن کے بارے میں مجھے میرے بزرگ خبردارکرگئے تھے۔ وہ کیا کرسکتے تھے۔

اے خداوند تجھے پتہ ہے کہ مجھے موت کی پرواہ نہیں۔ مگرمیں بہت ڈرپوک ہوں۔ میں دکھ سہنے کی عادی نہیں۔ تجھے پتہ ہے کہ جب ڈاکٹر ٹیکہ لگاتا ہے تومیں کس قدر بے دل ہوجاتی ہوں۔ میری دعا ہے کہ اگردکھ کا سایہ بڑھے تومجھے

برداشت کرنے کی قوت دینا، اشکوں سے میری آنکھیں لبریز تھیں۔ اے خداوند میرا اندازہ ہے کہ میں شہیدوں کی مٹی سے نہیں بنی۔ جوکچھ بھی اس کے بعد ہونے والا ہے مجھے اس میں چلنے کی توفیق دینا۔

اس کے بعد ایک گمنام دھمکی کا خط آیا۔ لکھا تھا بات صاف ہوجانی چاہیے ۔ تیری تعریف ایک لفظ میں ہے "غدار" پھرایک روزخط آیا اورتھوڑی دیر کے بعد ایک اور، سب میں خبردارکیا گیا تھا۔ مسیحی ہونے کی وجہ سے دھمکیاں سننی لازم تھیں۔

۱۹۶۷ء کی گرمیوں میں شام کے قریب میرے مسیحی ہونے کے چھ ماہ بعد میں اپنے باغ میں کھڑی تھی۔ میرے ذہن پرایک خط کے الفاظ گھوم رہے تھے۔ لکھا تھا کہ میں کافر سے بھی بدتر اوردوسرے وفاداروں کوبہکانے والی ہوں۔ میں صحت مند اعضاء پر ایک ناسورکی مانند ہوں جسے جلادینا چاہیے۔ جلادینا چاہیے؟ کیا یہ محض ایک استعارہ تھا یا اس سے زیادہ۔ میں باغ کے اندرچلی گئی۔چاروں طرف طرح طرح کے پھول اپنی رنگینیاں دکھارہے تھے موسم بہاراپنے جوبن پر پہنچ کرگرمیوں کے موسم میں داخل ہوچکا تھا۔ پھل دار درخت پھل سے لدے ہوئے تھے اورکچھ دانے پک کرگرگئے تھے۔ میں نے اپنے گھر پر نگاہ کی میں نے اپنے دل سے بات کی۔وہ میرے گھرکونہیں جلائیں گے۔ وہ ایک بیگم کونہیں جلائیں گے۔

مگر بلاشبہ میں صرف اپنی حیثیت اوردولت کے سبب سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں جان سکتی۔ کوئی میری ملاقات کوآیا ہے۔ خادمہ نے اس کی اطلاع دی۔ بیگم جی جرنیل عامر آپ سے ملاقات کے منتظر ہیں۔ میرا دل دہل گیا۔میں نے باغ کے پھاٹک میں سے نگاہ کی اورواقعی ایک کمانڈرکی کاروہاں کھڑی تھی۔ جرنیل عامر میرے فوج کے ایام میں پرانے جان پہچان کے تھے۔ دوسری جنگ عظیم میں اُن کے ساتھ تھی۔اوراب وہ پاکستان کی فوج میں اعلیٰ درجے کی جرنیل تھے۔سال ہاسال سے ہم ایک دوسرے سے ملتے رہے تھے ۔ خاص طورپر جب میرا خاوند وزیر داخلہ تھا تووہ ان کے بہت قریب کام کرتے تھے۔ کیا وہ مجھے مجرٹھہرانے آیا ہے۔

جلدہی میں نے باغ میں اس کے پاؤں کی آہٹ محسوس کی۔ وہ اپنے فوجی لباس میں بہت سج رہے تھے۔ اس

ے میرا ہاتھ پکڑا اورجھک کر اس پر بوسہ دیا۔ میرا خوف کافور ہوگیا۔ اس کی آمد کا مطلب مخالفت نہ تھا۔ اس نے میری طرف نگاہ کی۔ حسب معمول جرنیل نے مزاحیہ انداز میں کہا جو کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کیا یہ سچ ہے؟ ہاں" میں نے جواب دیا۔

آپ کو اس کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے اپنے آپ کو ایک خطرے میں ملوث کرلیا ہے۔ میں نے افواہیں سنی ہیں کہ کچھ لوگ آپ کو قتل کرنے کے درپے ہیں۔ میں نے خاموشی سے اس کی طرف نگاہ کی۔ اس نے مزید کہا" ٹھیک ہے اوروہ باغ میں پڑے ہوئے ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ آپ جانتی ہیں کہ میں ایک بھائی کی طرح ہوں۔ " مجھے ۔یہی اُمید ہے"۔

"ایک بھائی کی حیثیت سے میں آپ کی حفاظت کا مشتاق ہوں"

"مجھے یہی امید ہے"

"توپھر یادرکھو کہ میرا گھر ہمیشہ آپ کے لئے کھلا ہے"۔ میں مسکرائی ۔ پہلی بارنرم جواب ملا تھا۔ مگربیان کوجاری رکھتے ہوئے جنرل کہنے لگا ایک بات کوجاننا آپ کے لئے لازم ہے کہ پیشکش شخصی ہے۔ وہ کھلے ہوئے پھول کی طرف بڑھا۔پھول اپنی طرف کھینچا اورسونگھا اورپھر میری طرف متوجہ ہوکر مزید کہنے لگا "بلقیس !حکومت کی سطح پر میں آپ کے لئے کچھ زیادہ نہیں کرسکتا"۔

"میں جانتی ہوں"۔ میں نے جنرل کا ہاتھ پکڑا اورہم دونوں اٹھ بیٹھے اورچلتے چلتے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ چلتے ہوئے میں نے اُسے بتایاکہ معاملہ اس قدرآسان نہیں ہے۔حقیقت پسندانہ لہجے میں جنرل نے کہا۔ اوراس کے آسان ہونے کا کوئی امکان بھی نہیں ہے۔بعد میں جب ڈرائینگ روم میں چائے کا حکم دے چکی تو اُس نے سوالیہ مسکراہٹ سے پوچھا" بلقیس ! مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ جوہوا میں نے اسے بیان کردیا اورمجھے پتہ چلا کہ جنرل غورسے سن رہا تھا۔ کس قدرغیرمعمولی طورپر میں نے اُسے اپنی گواہی دے دی۔

میں ایک سپاہی سے مسیح کے بارے میں بات چیت کررہی تھی۔ اوروہ بھی ایک اعلی آفیسر کے ساتھ۔ اوروہ غور سے سن رہا تھا۔ مجھے شک ہے کہ کیا واقعی میں اُس بعد ازدوپہر جنرل عامل کے دل سے بات کرگئی۔ مگر نصف گھنٹہ

پہلے جب اُس نے مجھے شام کے قریب خدا حافظ کہا تواُس کے چہرے سے ظاہر تھاکہ وہ متاثر تھا۔ اورپھر رخصت کے وقت بھرائی ہوئی آوازمیں کہنے لگے" بلقیس یادرکھو جب کبھی آپ کو میری مدددرکار ہو مجھے بتاؤ، جوکچھ میں بحیثیت ایک عزیزکرسکتاہوں کروں گا"۔

میں نے کہا عامر شکریہ۔ وہ شام کی مدھم تاریکی میں اپنی کارکی طرف چل دئیے اوراس کے ساتھ ہی ہماری نہایت افسردہ اورعجیب ملاقات اختتام پذیر ہوئی۔ میرا خیال نہیں تھا کہ میں اسے پھر کبھی مل سکوں گی۔

پہلی بارقطع تعلقی گمنام خطوط اورپُرانے دوستوں کی طرف سے ٹیلیفون پردھمکیوں میں ،میں سیکھ رہی تھی کہ زندگی گھڑیاں گن گن کربسر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ فکرمند ہونے سے یہ مختلف تھا۔ میں اس بات کے انتظارمیں تھی کہ میرا خدا کیا حکم کرنے والا ہے۔ کیونکہ میں قائل تھی کہ اس کی اجازت کے بغیرکچھ وقوع پذیرنہیں ہوسکتا۔ مثال کے طورپر مجھے معلوم تھاکہ میرے خلاف دباؤ لازم کڑا ہوجائے گا اگریہ ہوا تواس کی اجازت سے ہوگا اورلازمی ہے کہ اس طرح کی بربادی میں ،میں اپنے خداوند کی حضوری کی متلاشی رہوں۔ زندہ رہنا میرے لئے مسیح ہوگا۔لازم تھا کہ میں اُس کی رفاقت میں رہنا سیکھوں۔ تاکہ جوکچھ ہوجہاں کہیں بھی ہومیں اُس کے جلال میں پائی جاؤں۔

خاندان کی طرف سے بڑھتے ہوئے دباؤ کے ساتھ مجھے خیال آیاکہ مجھے معلوم ہے کہ داؤد بادشاہ اپنے فرزند ابی سلوم سے فرارکے وقت کیا محسوس کرتا تھا۔کس طرح وہ ساز اٹھا کرحمد کرنے لگا"تو اے خداوند ہرطرف میری سپر ہے۔ میرا فخر اورسرفراز کرنے والا" (زبور ۳: ۳ آیت)۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس سرفرازی سے مُراد فردوس کی خوشیاں تھا۔ وقتی طورپر میرے خاندان کی طرف سے دباؤ قطع تعلقی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میرے خاندان کا ایک فرد بھی مجھے ملنے یا بُرا بھلا کہنے نہ آیا۔اس کے علاوہ میرے پُرانے جان پہچان میں سے کوئی ملاقات کو نہ آیا۔ بازارمیں مجھے حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ خاندان میں شادی یا غمی کے موقع پر مجھے اطلاع نہ دی جاتی۔ اس تنہائی پرغورکرنے سے خدا کی قربت کا احساس مدھم پڑنے لگتا۔ اوراپنی رضا

ورغبت میں اپنے خیالات کوقید کرکے مسیح کے تابع کردیتی اورمصیبت کے وقت اس کے ساتھیوں کے چھوڑنے کویاد کرتی۔ اس سے مجھے تسلی ہوئی۔اس حال میں مجھے رفاقت کی اشد ضرورت تھی۔ اس قدرالگ تھلگ ہونے کے سبب کسی کی رفاقت اورنزدیکی کی طلب گار تھی۔ مسٹر اولڈ اورمچلز نے آنا بند کردیا تھا۔ اُن کی بھلائی کے پیش نظر میں نے اُنہیں اپنے ہاں نہ آنے کی تلقین کی تھی۔

ایک غمناک دوپہر میں بائبل کے مطالعہ کے لئے اپنی خوابگاہ میں گئی۔ گرمیوں کا آغاز تھا۔ اورغیر معمولی سی سردی تھی ۔ میرے دریچے میں تیز ہوا سے سرسراہٹ پیدا ہوئی۔ جونہی میں نے مطالعہ شروع کیا میں نے اپنے ہاتھ پر گرمی سی محسوس کی اورکیا دیکھتی ہوں کہ میرے بازو پرسورج کی ایک شعا پڑرہی ہے۔ میں نے جوکھڑکی سے جھانکا توپتہ چلا کہ سوج بادلوں میں اوجھل ہے۔ فقط ایک منٹ کے لئے یوں لگا کہ مجھ تک پہنچ کرخداوند نے میرے ہاتھ کو چھوکردلاسہ دیا تھا۔

میں نے اوپر نگاہ کی اورکہا" اے خداوند میں کس قدر تنہا ہوں" یہاں تک کہ نہ بولنے کے سبب سے میں اپنی گالوں پر روکھا پن محسوس کرتی ہوں۔ برائے کرم آج کسی کو مجھ سے گفتگوکرنے کے لئے بھیج دے۔

ایسی بچگانہ مانگ کرنے سے اپنی ہی نگاہ میں احمق دکھائی دیتی تھی۔ میں پھر بائبل کی طرف متوجہ ہوئی۔ بہر صورت خداوند میرا ساتھی تھی۔ اوریہ کافی تھا۔ مگرتھوڑی دیر میں گھر میں ایک عجیب شور سے میں چوکنی ہوگئی۔ عجیب اس لئے کیونکر عرصہ دراز سے یہ شوربند تھا۔ سیڑھیوں کے نیچے کچھ آوازیں تھیں۔ میں نے اپنی شال اوڑھی اورتیزی سے نورجہاں کوملنے کے لئے چلی جس کا سانس پھولا ہوا تھا اوردوڑتی ہوئی میری طرف آرہی تھی۔ چیختے ہوئے کہنے لگی" اوہ بیگم صاحبہ! مسٹر اورمسز اولڈ آئے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے کہ" خداوند کی تعریف ہو"۔ میں جلدی سے انہیں ملنے کے لئے آگے بڑھی۔ بلاشبہ اتوار کی عبادتوں پر مسٹر اورمسز اولڈ سے اُن کے گھر میں میری ملاقات ہوئی تھی۔ مگریہ ملاقات اس سے مختلف تھی۔ کیونکہ یہ ہفتہ کے

دوران ملاقات تھی۔ مسز اولڈ تیزی سے میری طرف بڑھی اورمیرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہنے لگی بلقیس ہمارا دل چاہتا تھا کہ آپ سے ملاقات کریں۔ اسکی نیلی آنکھوں میں شعلے کی سی چمک تھی۔ کہنے لگی کہ ملنے کی کوئی خاص وجہ تونہیں مگرآپ کی رفاقت ہمیں یہاں کھینچ لا ئی ہے۔

بہت خوشگوار ملاقات تھی۔ بات چیت کے دوران میں نے پہچانا کہ میں لوگوں سے اپنے ہاں ملاقات کے لئے نہ آنے کو کہنے میں غلط کرتی رہی تھی۔ غرور نے ضرورت کوتسلیم کرنے سے بازرکھا ہے۔ اچانک میرے دل میں آیا کہ لوگوں کو اتوار کے روزعبات کے لئے اپنے گھر کیوں نہ دعوت دوں؟ لیکن یہ جلتی پرتیل چھڑکنے کے برابرہوگا۔ میں نے اس خیال کودل سے نکالنے کی ناکام کوشش کی۔ وہ رخصت ہونے والے تھے کہ میں جلدی سے بول اٹھی کیا اس اتوارکی رات آپ میرے ہاں تشریف لانا پسند کریں گے؟ اولڈ نے قدرے پریشانی میں میری طرف دیکھا۔ اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے میں نے کہا جومیں کہتی ہوں وہ میرا مطلب ہے اس قدیم عمارت کوکچھ زندگی درکارہے۔ لہذا میرے گھر عبادت کے انعقادکا فیصلہ ہوگیا۔

اس شام جب میں نے سونے کی تیاری کررہی تھی تومجھے خیال آیاکہ خداوند ہماری مناجاتیں کس قدراحسن اندازمیں سنتا ہے۔جب میرا خاندان اورمیرے دوست مجھ سے دورہٹ گئے توان کی جگہ اس نے اپنے خاندان اوردوستوں سے پُرکردی۔ میں سکون سے سوگئی۔اورصبح اٹھنے پرخوشی محسوس کررہی تھی۔ میں نے اٹھ کرکھڑکی کھولی اورباد ِصبا کا ایک" جھونکاکمرے میں آیا۔ گرمیوں کی مہکتی ہواسے لطف اندوزہورہی تھی۔

میں اتوارکی شام کے آنے کا انتظارکرنے سے قاصر تھی۔ ہفتہ کودوپہر کے بعد تک میرا پُرانا گھرپھولوں سے سجا ہوا تھا۔ ہر کھڑکی دروازے اورفرش پراس قدر پھول تھے کہ گھرچمکن لگا میں نے ریشم سے کہا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ عبادت میں شامل ہوسکتی ہے۔ مگروہ کچھ خوفزدہ سی ہوگئی۔ وہ اس قدردلیرانہ اقدام کے لئے مستعد نہ تھی اورمیں نے بھی دباؤ نہ ڈالا۔

اتوار، آگیا میں نے محمود کوڈرائنگ روم سے دوررکھا۔ پھولوں کوسجانے اورگردوغبارجھاڑنے میں لگی رہی۔ آخرکار میں نے پھاٹک کھلنے کی آوازسنی اورکاریں اندرداخل ہوئیں۔

یہ شام اپنے اندرمیری تمام اُمیدیں سمیٹے ہوئے تھی۔ گیت گائے گئے دعائیں کی گئیں۔ اورایک دوسرے کوبتایا گیا کہ خداوند کیا کررہا ہے۔ ہم فقط محمود کے ہم عمروں پر حیران تھے۔ جوآرام سے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ مگرمیں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ ہزاروں اورنادیدہ مہمانوں کوبھی خوش آمدید کیا گیا۔

اس شام کاایک اورخاص مدعا بھی تھا۔ جس سے میں آگاہ نہیں تھی۔ پتہ چلا کہ میرے مسیحی عزیزمیرے لئے ابھی تک فکرمند تھے۔ مسزاولڈ کہنے لگی کیاآپ ضرورت سے زیادہ محتاط ہیں؟ ہنستے ہوئے میں نے کہا خیرمیں کچھ زیادہ نہیں کرسکتی ہوں۔ اگرکوئی مجھے ضررپہچانا چاہتا ہے تومجھے یقین ہے کہ اُسے راہ مل جائیگی۔ مسزمچل نے پوچھا آپ کی خوابگاہ کہاں ہے؟ ہرایک نے مناسب سمجھا کہ میرا کمرہ دیکھیں۔پس سب میرے کمرے میں جمع ہوگئے۔مسٹراولڈ خاص طورپر میری کھڑکیوں کے بارے میں فکرمند تھا۔باہر باغ میں دیکھتے ہوئے کہنے لگا کہ شیشہ اورنقش ونگار کے سوا ان میں کوئی مضبوطی نہیں ہے۔ سرہلاتے ہوئے اس نے کہا" آپ جانتی ہیں کہ حقیقت میں آپ محفوظ نہیں ہیں" بلقیس" اس کے بارے میں کچھ کرنا چاہیے کسی قسم کے مضبوط سلاخیں لگوالو۔ اس میں سے توکوئی بھی اندرداخل ہوسکتا ہے۔ میں نے کہا" میں کل اس کے بارے میں کچھ کروں گی"۔ کیا یہ میرا تصورہی تھا یا واقعی میرے یہ الفاظ کہنے سے خدا کی حضوری مدھم پڑرہی تھی۔

بالآخر خدا حافظ کہہ کر ہم جدا ہوئے اورمیں گذشتہ روز سے زیادہ مسرور سونے کی تیاری کرنے لگی۔دوسرے روزتاہم جب میں گاؤں میں لوہارکوبلانے کسی کو بھیجنے ہی والی تھی کہ ایک بارپھر میں خداوند کی حضوری کے رخصت ہونے سے آگاہ ہوئی۔ کیوں؟ کیااس لئے نہیں کہ میں ایسا قدم اٹھانے والی تھی جس کی بنیاد خوف پر تھی۔ یقیناً ہربارجب میں لوہارکوبلانے کی کوشش کی میرا یہ قدم روک دیا گیا۔

اورپھر میں نے پہچانا کہ کیوں جب گاؤں میں خبر پہنچ گی کہ میں اپنی کھڑکیوں میں لوہے کی سلاخیں لگوارہی ہوں توہرایک جان جائے گا کہ میں خوف زدہ ہوں۔اس طرح کی چھ میگوئیاں ہوں گی" ہوں! یہ مسیحی مذہب کس قسم کا ہے! جب آپ مسیحی ہوجاتے ہیں کہ توآپ ڈرپوک بن جاتے ہیں۔ میں نے فیصلہ کیاکہ میں اپنی کھڑکیوں میں سلاخیں نہیں لگواؤں گی۔

اُس رات پر اعتماد ی سے سوگئی کہ میں نے صحیح فیصلہ کیا میں جلدہی سوگئی۔ مگرایک آواز سے میں یکایک جاگ گئی۔ میں بے خوف جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میرے سامنے ایک عجیب وغریب نظارہ تھا۔ مافوق الفطرت طورپر اپنے کمرے کی دیواروں میں سے سارا باغیچہ دیکھ سکتی تھی۔ اس پر سفید آسمانی روشنی کا ایک سیلاب تھا۔ میں ہرایک پھول، درخت، ان کے پتے، گھاس اس کے ہرتنکے کانٹے کودیکھ سکتی تھی اورباغ پرایک مقدس سکوت تھا۔ اپنے دل میں ،میں نے اپنے آسمانی باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا، بلقیس تم نے مناسب قدم اٹھایا ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

آہستہ آہستہ نورمدھم پڑتا گیا۔ اورکمرہ پھرتاریکی میں ڈوب گیا۔ میں نے اپنے بستر کے پاس لیمپ کوروشن کیا۔ اوراپنے ہاتھ اٹھا کراپنے خدا کی تعریف کرنے لگی۔اے باپ میں کیونکر تیرا شکر بجالاسکتی ہوں؟ ہم میں سے ہرایک کا توکیونکرکس قدرخیال کرتا ہے۔

اگلی صبح میں نے اپنے سب ملازمین کواکٹھے بلایا اوراُن سے کہا کہ اگرچاہیں تواپنے گھروں میں سوسکتے ہیں۔فقط میں اورمحمود ہی اس بڑے گھر میں سوئیں گے۔ ملازمین ایک دوسرے کوگھورنے لگے ۔ کچھ پریشان تھے۔ کچھ خوش اورکچھ ہراساں تھے۔ مگرمیں جانتی تھی کہ بلاآخر ایک بات انجام کو پہنچی ہے۔ اس فیصلے سے اپنی حفاظت آپ کے ہرخیال کا خاتمہ ہوگیا۔ اوراس فیصلے کے ساتھ میں خداوند کی قربت میں تھی۔ میں خداوند کی حضوری کومحسوس کرسکتی تھی۔شائد آئندہ واقعات کے لئے یہ اہم تھا۔

ایک صبح جب ریشم میرے بالوں میں کنگھی کرتے وقت وہ یوں ہی بول اٹھی میں نے سنا ہے کہ آپ کی انٹی کا بیٹا کریم فوت ہوگیا ہے۔

میں کرسی سے اُچھل پڑی اورغیر یقینی کے عالم میں اُسے تکتے ہوئے کہنے لگی نہیں !نہیں! کریم نہیں۔ وہ تومحمود کومچھلی کے شکار کے لئے لے جانے والا تھا۔ وہ اُن میں سے تھا جن سے مجھے اُنس تھا۔ مجھے کریم کی موت کے بارے میں بھی نوکروں ہی سے معلوم کرنا تھا۔ فولادی خوداعتمادی کے ساتھ میں نے اپنے آپ کوکرسی پر بیٹھے رہنے کے لئے مجبورکیا تاکہ ریشم اپنا کام جاری رکھ سکے۔ مگر میرا ذہن چکرا رہا تھا۔ میں نے سوچا ہوسکتا ہے کہ یہ محض افواہ ہی ہو۔ ریشم نام لینے میں غلطی کرسکتی ہے۔ میرا دل کچھ سنبھلا بعد میں نوکروں میں سے ایک بزرگ ملازمہ کو میں نے کہا کہ وہ میرے لئے حالات کی صحیح اطلاع لائے۔وہ گاؤں میں گئی اور ایک گھنٹہ کے بعد افسردہ حالت میں واپس لوٹی کہنے لگی"بیگم صاحبہ! مجھے افسوس ہے مگریہ خبرسچی ہے۔ وہ کل رات دل کی دھڑکن بند ہوجانے سے چل بسا۔ اورآج اس کا جنازہ ہوگا"۔ پھریہ نوکر جسے ہربات جاننے میں سہولت تھی ایک اورخبرلائی جس سے مجھے اوربھی چوٹ لگی۔ مجھے اطلاع ملی کہ میری آنٹی نے اپنے بیٹے سے میری الفت کے پیش نظر خاص طورپر خاندان سے کہا تھا کہ بلقیس کوضرور اطلاع کردی جائے کہ کریم فوت ہوگیا ہے، مگر کسی نے اس کی نہ مانی۔

بعد میں کھڑکی کے پاس بیٹھے اس پر غورکررہی تھی۔ چھ ماہ سے میں خاندانی معاملات میں ملوث نہ تھی۔ مگر قطع تعلقی نے اس قدردکھ نہ دیا تھا جس قدراس واقعہ نے۔ گم سم بیٹھی میں مدد کے لئے خداوند سے دعا کرنے لگی۔اوراس نے میری سنی۔ یوں لگا جیسے ایک گرم کمبل بڑے سلیقہ سے میرے کندھوں پر رکھ دیا گیا ہو۔ اورجذبات کے ساتھ ہی ایک غیر معمولی اقدام کرنے کی تحریک ہوئی جس کے تصورہی سے میں کانپ اٹھی۔ اقدام قدرے دلیرانہ تھا کہ میں جان گئی کہ لازماًیہ خداوند کی طرف سے ہے۔

دسواں باب

"اُس کی حضوری میں جینے کا سبق"

کھڑکی کے پاس بیٹھی میں باغیچہ کودیکھ رہی تھی۔ یہاں کریم اورمیں بچپن میں کھیلا کرتے تھے۔ تندوتیزآندھی سے درخت جھکے جارہے تھے۔ میں اِن میں سے ایک غیر معمولی پیغام حاصل کررہی تھی۔ یہ یقین کرنا محال تھا کہ میں ٹھیک طورسے سن رہی ہوں۔

مسکراتے ہوئے میں نے کہا" اے خداوند یہ حقیقت میں تیرا پیغام نہیں ہوسکتا۔ میں مختلف آوازیں سن رہی تھی۔ مثلاً یہ خدا کی مرضی نہیں کہ میں کریم کے جنازہ پر جاؤں یہ مناسب نہیں۔ یہ لاحاصل ہوگا۔ میں اُن لوگوں کے زخمی دلوں پر نمک سے کم نہ ہوں گی۔

اِن آوازوں کے شنوا ہونے سے میں نے ایک بار اورپہچانا کہ خدا کی حضوری کا احساس مدھم ہونا شروع ہوگیا ہے۔ فوری طورپر اِس سگنل کے ساتھ مجھے خیال ہونے لگا کہ شائد مجھے قطع تعلقی اوررقابت کے روبرو جانے کے اس غیر معمولی اقدام کی تحریک ہورہی ہے۔

بلاآخر ایک لمباسانس لیتے ہوئے میں کھڑکی کے قریب اپنی جگہ سے اٹھی اورقدرے اُونچی آوازمیں بولی خداوند میں نے سیکھنا شروع کردیا ہے۔خداوند جوتو کہتا ہے بے شک میرے لئے وہ ناقابلِ فہم ہے توبھی وہ درست ہے۔ چونکہ تومجھے تلقین کررہا ہے اس لئے میں جاؤنگی۔ بلاشبہ اس کی حضوری کا احساس لوٹ آیا تھا اس کی حضوری کے آنے اورجانے کے سلسلہ وارتجربات کس قدر غیر معمولی تھے۔ ابھی تک مجھے احساس تھاکہ میں اس فہم کی صرف ہوا ہی کو چھوپائی ہوں۔ میں اس کی حضوری کے زیادہ دیر ٹھہرنے کومیں کیونکر سیکھ سکوں گی؟ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آئندہ دوماہ میں مجھے ایسے سلسلہ وارتجربات ہوں گے جوسیکھنے کے سلسلہ میں مجھے ایک قدم آگے لے جائیں گے۔ میں کریم کے گھر جھجکتی ہوئی چلی گئی۔باوجود فرمان بجالانے کے وعدہ کے میری حالت اُس بے یارومددگارفاختہ کی سی تھی۔ جیسے ایک ہزارناگوں کے درمیان پھینک دیا گیاہو۔ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے میں پتھروں سے بنے ہوئے اس گھر کی طرف بڑھی۔ صحن کی طرف چلتے ہوئے برآمدے کی طرف بڑھی۔

صحن کی طرف چلتے ہوئے برآمدے کی طرف بڑھی۔ دائرہ میں بیٹھے دیہاتیوں کی نگاہیں مجھ پر جمی تھیں۔میں اس قدیم طرز کی عمارت کے اندرداخل ہوئی جہاں اکثر وبیشتر کریم اورمیں خوشگواروقت دیکھ چکے تھے۔

اب کوئی ہنسی موقوف تھی۔ سوگوارخاندان کے غم میں مجھ سے ان کی نفرت نے مزید اضافہ کردیا۔میں نے اپنے اس چچازاد بھائی کی طرف دیکھا جس کے میں بہت ہی قریب تھی۔ ایک منٹ کے لئے ہماری نگاہیں دوچارہوئیں۔میرے چچازاد بھائی نے جلدی ہی اپنا منہ موڑکرایک ہمسائے سے باتیں شروع کردیں۔

میں سیدھی کریم کے کمرے کی طرف بڑھی اوراندرجاکر اُس دری پر بیٹھ گئی۔ جوفرش پر بچھی تھی۔ میری موجودگی سے لوگ گویا ہڑبڑا کرنیند سے جاگ اٹھے۔ دلاسہ دینے والی گفتگو یکایک اختتام پذیر ہوئی۔ یہاں تک کہ قرآن خوانی کرنے والی خواتین بھی رُک گئیں۔ یوں لگتا تھا کہ وہاں بیٹھے ہوئے ہر شخص کوگویا سانپ ڈس گیاہو۔میں نے کچھ نہ کہا اورنہ ہی ملنسار بننے کی سعی کی فقط اپنی آنکھوں جھکا کردل میں دعا کرتی رہی کہ" اے خداوند یسوع جب میں ان عزیزوں اوررشتہ داروں کے رُوبرو جوکریم کی موت کے سبب سے غمناک ہیں تجھے پیش کروں توتومیرے ساتھ ہونا۔

کوئی پندرہ منٹ کے بعدپھر گفتگو شروع ہوگئی۔ میں نے کریم کی اہلیہ کودلاسہ دینے کا ارادہ کیا۔اپنا سر اُوپر اٹھاتے ہوئے میں دری پرسے اٹھی اورمتصل کمرے میں داخل ہوئی۔ جہاں ایک لمبے تابوت میں کریم کی لاش پڑی تھی۔ کریم کی بیوی کودلاسہ دینے کے بعد میں نے اپنی پیاری چچی کے چہرہ پر نگاہ کی۔ جوسوگ کے سفید کپڑوں میں ملبوس تھی۔ اپنے دل میں ،میں نے یسوع سے کریم کی روح کے لئے دعا کی کاش کہ اُس کی موت سے پہلے اُسے یسوع کے بارے میں بتاسکتی۔ خاندان کے قریبی افراد کریم کے لئے دعائیں کررہے تھے۔ خواتین کھڑی ہوتیں اورقرآن سے آیات پڑھتیں۔ میں خوب جانتی تھی کہ یہ وہ حصے ہیں جہاں زندگی اورموت کا ذکر ہے۔آج سورج غروب ہونے سے پہلے جنازہ اٹھے گا۔ جس میں تمام اہل خانہ جلوس کی صورت میں چلیں گے۔ جنازہ

اٹھانے والے اُسے قبرستان میں لے آئیں گے اورجنازہ پڑھا جائے گا۔

کمرے میں کھڑی میں یہ سب آوازیں سن رہی تھی۔ کریم کی ماں جنازے کے پاس دوزانوتھی۔ وہ اس قدررنجیدہ دکھائی دیتی تھی کہ میرے دل سے یہ خواہش اٹھی کہ میں اس کے پاس جاؤں ۔ کیا میں جرات کروں؟ کیا یہ بے عزتی تونہیں ہوگی؟ کیا یہ یسوع سے متعلق کچھ کہوں؟ شائد نہیں میرا بحیثیت مسیحی یہاں ہونا ہی یسوع کواُن تک لا رہا تھا۔

بہرنوع میں کریم کی ماں کی طرف بڑھی اوراپنے بازواس کے کندھے پر رکھتے ہوئے غمناک آوازمیں بیان کرنے لگی کہ مجھے کس قدرافسوس ہے۔ کریم اورمیں کس قدرایک دوسرے کے قریب تھے۔ کاش خداآپ کو برکت دے اوردلاسہ دے۔ کریم کی ماں نے اپناچہرہ میری طرف کیا۔ اس کی سیاہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔آنکھیں میرا شکریہ ادا کررہی تھیں۔ اورمیں جانتی تھی کہ اُس کے غمناک دل کو اسی وقت یسوع دلاسہ دے رہا ہے۔

مگراُس کمرے میں فقط کریم کی ماں ہی میرے دلاسہ کوقبول کررہی تھی۔ جونہی میں اُسے چھوڑکر سوگواروں کے درمیان بیٹھنے کے لئے پھری توایک قریبی چچا زاد نفرت کا اظہارکرتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ ایک اورچچازاد بھائی اسی طرح چل دئیے۔ میں وہاں بیٹھی طرح طرح کے جذباتی خیالات سے جدوجہد کررہی تھی ۔ میرا دل دھڑکا ان کی دشمنی مجھ پر غالب آرہی تھی۔مناسب وقت تک بیٹھنے اوراس کے بعد رخصت ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ میرے رخصتی پرگھر کے تمام افراد مجھے گھورگھورکردیکھ رہے تھے۔

اپنی کارمیں بیٹھے ہوئے میں خیالات کوجمع کرنے کی کوشش میں تھی میں نے فرمانبرداری کی تھی۔ یقیناً اس خفگی کا سامنا کرنے کی بجائے میں گھر میں بیٹھے رہنے کو ترجیح دیتی۔

اگرمیں یہ سوچتی کہ مجھے اُس وادی میں سے فقط ایک ہی بارگزرنا تھا۔ تویہ غلط ہوتا۔ چند ہفتے بعدجب گرمی شدید تھی ایک اورچچازاد بھائی رحلت فرمایا گیا۔ اُس موت

کے بارے میں بھی نوکروں ہی سے پتہ چلا۔ دوبارہ خداوند کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے میں سوگواروں سے بھرے ہوئے کمرے میں داخل ہوگئی۔ ہر طرف نفرت کی نگاہیں تھیں۔ اپنی مرضی کے مطابق اپنے آپ سے نظریں ہٹاکر ایک ایسے شخص پر لگائیں جو بہت دکھی تھا۔ اوریہ مرنے والے بھائی کی بیوی تھی۔ اس کاایک بچہ تھا جوپانچ برس کا تھا اورمحمود کا ہم عمر تھا تابوت کے پاس کھڑی وہ اس قدرغمگین تھی کہ میں اس کے لئے اوراس کے خاندان کے لئے روئی۔

پھر جس طرح میں نے کریم کے جنازہ پر کیا تھا۔ میں اس غمزدہ عورت کی طرف بڑھی۔ جونہی میں قریب آئی اورہماری آنکھیں دوچارہوئیں اس کے اشک آلود چہرے پر جھجک تھی۔ اچانک یہ جانتے ہوئے کہ وہ خاندان کی مرضی کے خلاف اقدام کررہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ اس کازرد ہات پکڑے ہوئے تھی۔ میں خاموش سے روئی ۔ ہم نے ایک دوالفاظ میں بات کی۔ مگرمیرا دل یہ دعا کررہا تھاکہ روح القدس اس کے زخمی دل پرمہر لگائے۔ اوراپنا وہ وعدہ اس عزیز مسلمان کے لئے بھی پورا کرے کہ مبارک ہیں وہ جوغمزدہ ہیں ۔

میرا ہاتھ چھوڑتے ہوئے خاموش لہجے میں وہ بیوہ کہنے لگی، "بلقیس آپ کا بہت بہت شکریہ میں پھراس سے بغلگیر ہوئی اورکمرے سے چل دی۔

اتفاقاًاورااموات ہوئیں۔ ہمارے خاندان کے سائز کے پیش نظر یہ قدرغیر معمولی تھا۔ مگرہربارخداوند نے بڑی صفائی سے مجھے بتایا کہ میں اپنے گھر سے نکل کراُس جگہ جاؤں جہاں میری ضرورت ہے بہت باتیں نہیں کرنا تھیں۔ یہی میری گواہی تھی کہ مجھے اس کا پاس ہے۔

اس سارے وقت میں خداوند میرے ساتھ کام کررہا تھا۔ مجھے سکھانے کے لئے وہ ان اموات کوبحیثیت کلاس روم، استعمال کررہا تھا۔ خاندانی اموات پر جانے کے ایک موقع پر میں نے خداوند کی حضوری میں ٹھہرنے کا ایک دوسرا بڑا بھید دریافت کیا۔

دستور کے مطابق جب تک لاش دفن نہ ہو کوئی نہیں کھاتا۔ عام طورپر یہ کوئی ایک روزہ کے روز کے برابر ہوتا تھا۔

تاہم اس روز لوگوں کے ہجوم سے بھرے ہوئے اس کمرے میں جب میں گویا تنہا تھی تو اچانک مجھے معلوم ہوا کہ مجھے بعد ازدوپہر کی چائے درکار ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ ایہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر میں نہیں رہ سکتی۔ بلاآخر جب میں اپنی خواہش پر قابو نہ پاسکی تو میں معذرت چاہتے ہوئے اٹھی۔ میں نے کہا۔ مجھے اپنے ہاتھ دھونے ہیں۔ میں گھر سے نکل کر گلی میں ایک چھوٹے ہوٹل میں چلی گئی۔ وہاں میں نے چائے پینے کے بعد سوگواروں میں لوٹ آئی۔ اچانک میں نے ایک عجیب سے تنہائی محسوس کی۔ یوں لگتا تھا کہ ایک دوست مجھ سے جدا ہوگیا ہے۔بلاشبہ میں جانتی تھی کہ کیا ہوا ہے۔ خدائے تعالیٰ کے روح کی دلاسہ دینے والی حضوری مجھے چھوڑ چکی تھی۔

میں اپنے آپ سے ہم کلام ہوئی کہ خداوند میں کیا کر بیٹھی ہوں۔ اورپھر مجھے پتہ چلا کہ میں نے معذرت چاہتے ہوئے جھوٹ بولا تھا۔ خدا کے روح سے مجھے کوئی اطمینان نہ ملا۔

میں نے اپنے دل میں کہا" اے خداوند مجھے ان سوگوار مسلمانوں کے دستور سے اب کیا واسطہ ہے۔ علاوہ ازیں توجانتا ہے کہ میں اپنی چائے کے بغیر نہیں رہ سکتی۔خداوند کے روح کا احساس موقوف تھا۔ اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دینے کے لئے میں اپنے دل میں کہنے لگی" مگر اے باپ میں اُنہیں کیونکر صفائی سے بیان کرسکتی تھی کہ میں چائے کہ لئے جارہی ہوں، یہ ان کے لئے دکھ کا باعث ہوتا"۔ اُس کے روح کا کوئی احساس نہ تھا۔

میں نے کہا اے باپ میں سمجھتی ہوں کہ میرے لئے جھوٹ بولنا بجانہ تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ میں آدمیوں سے عزت چاہتی تھی، جبکہ مجھے فقط تیری خوشنودی کے لئے جینا تھا۔ خداوند مجھے افسوس ہے کہ میں نے تجھے رنجیدہ کیا ہے۔ تیری مدد سے میں یہ پھر نہیں کرونگی۔

اوران الفاظ کے ساتھ ہی اس کی دلاسہ دینے والی حضوری پھرمجھ میں عودکوآئی۔ یہ اس بارش کی طرح تھی، جوجھیل کی خشک زمین پر پڑے۔ میں مطمئن تھی۔ میں جانتی تھی کہ وہ میرے ساتھ ہے۔ اوراس طرح میں نے اس

کی حضوری میں لوٹنا سیکھا۔ جب کبھی میں اس کی نزدیکی محسوس نہ کرتی تومجھے پتہ چلتا کہ میں نے اُسے رنجیدہ کیا ہے۔ میں اس کا سبب تلاش کرتی اوراُس وقت کودیکھتی جب آخری بارمیں نے اُس کی حضوری کوجانا تھا۔ پھر میں نے اپنے ہر فعل ہرقول، اورخیال پرنگاہ کرتی یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوجاتاکہ میں کہاں سے گری ہوں۔ اس مقام پر میں اپنے گناہ کا اقرارکرتی اوراُس سے معافی مانگتی۔ میں نے بڑھتی ہوئی دلیدی کے ساتھ یہ ڈھنگ سیکھا۔ فرمانبرداری کی ان مشقوں کے ذریعے سے میں نےتوبہ کا سا خوبصورت بھید سیکھا۔ میں نے دریافت کیا توبہ کا مفہوم اشکوں کے ساتھ شرمندگی کی نہیں تھی۔ بلکہ یہ اس بات کو تسلیم کرنے کا نام تھا کہ میں نے کہاں خطا کی ہے۔ اورآئندہ خداوند کی مدد سے میں اسے ہرگز نہیں دہراؤں گی۔ اپنی کمزوری کوتسلیم کرنے سے اُس کی قوت کوپاسکتی تھی۔

اس وقت کے دوران ہی میں نے دریافت کیاکہ کہاں کی جگہ ہاں اورنہ کی جگہ نہ بہترین اصول ہے۔ جھوٹ جھوٹ ہے۔ اورہمیشہ شیطان کی طرف سے ہے۔ جوجھوٹوں کا باپ ہے۔ وہ جھوٹ بولنے کی مہلک عادت کوتحریک دینے کے لئے بے ضرر سفید جھوٹوں کواستعمال کرتاہے۔ جھوٹ بڑی آزمائشوں کے لئے راہ ہموارکرتے ہیں۔ شیطان سرگوشی میں کہتاہے کہ سفید جھوٹ دوسروں کالحاظ رکھنے کا ایک ڈھنگ ہے۔ ہم یسوع کی جانب جھلکنے کی بجائے جوسچائی ہے اپنے آپ کودنیا کی جانب جھکاتے ہیں۔

اگرچہ میں نے یہ سبق ایک رشتہ دار کے جنازے پر سیکھا۔ میرے لئے ایک نئی طرز زندگی کا آغاز تھا۔ میں نے تمام جھوٹ کا قلع قمع کرنے کی سعی کی۔اُس روز کے بعدجب مجھے سفید جھوٹ کی آزمائش آتی تو میں اپنے آپ کو قابو میں کرلیتی۔ ایک دفعہ ایک مشنری عزیز نے مجھے ایک جلسہ میں مدعوکیا۔ میں جانا پسند نہیں کرتی تھی۔ میں یہ بہانہ تراشنے کی تیاری میں تھی کہ مجھے کسی اورجگہ جانا ہے کہ میرے باطن میں خطرے کا الارم بجا اورمیں نے بروقت اپنے خیالات کوقید میں کرلیا۔ محض یہ کہنے سے کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نہیں آسکوں گی معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہوسکتاہے۔

ایک اور روز ایک عزیز کولندن میں خط لکھنے بیٹھی بلاتامل میں نے لکھنا شروع کردیا کہ میں کچھ عرصے کے لئے گھر سے باہر تھی۔ اس لئے اس کے آخری خط کا جواب نہیں دے سکی۔ فوراً خیال پیدا ہوا کہ میں توقصبہ سے باہر ہرگز نہیں گئی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کاغذ کوردی کی ٹوکری میں پھینکا اورپھر لکھنے لگی، عزیزم! برائے مہربانی مجھے معاف کریں کہ میں آپ کے اس قدرخوبصورت خط کا جلدی جواب نہیں دے سکی۔ یقیناً یہ جھوٹی باتیں ہیں۔ مگر میں چھوٹی باتوں میں محتاط رہنا سیکھ رہی تھی۔ کیونکہ یہ بڑی آزمائشوں کوقابو میں رکھنے کی قوت دیتی ہیں۔ علاوہ ازیں جب حیلے بہانے تراشنے کی کوفت سے چھٹکارا ہوگیا۔

آہستہ آہستہ اوریقینی طورپر مجھ پر روزِ روشن کی طرح یہ واضح ہونے لگا کہ میں اپنے جیون ساتھی کی حیثیت سے مسیح کے ساتھ رہنے کی کوشش کررہی ہوں۔ بلاشبہ یہ کرنا ممکن نہ تھا۔ پس اکثر اپنے آپ کو پُرانی راہوں پر چلتے ہوئے پکڑلیتی مگرمیں نے کوشش میں سستی نہ کی۔

اوراس سلسلہ میں ،میں نے اس وعدہ کے عملی رخ کودریافت کیا کہ پہلے تم اُس کی بادشاہی اوراُس کی راستبازی کی تلاش کرو تویہ سب چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی(متی ۶: ۳۳) کیونکہ جونہی میں نے خدا کو اولین درجہ دینے کی کوشش کی میری کھوئی ہوئی تمناؤں کی تکمیل ہونے لگی۔

ایک بعد ازدوپہر ریشم میرے کمرے میں آئی۔ اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ کہنے لگی" ڈرائنگ روم میں ایک خاتون مجھ سے ملاقات کی منتظر ہے۔ میں نے پوچھا "کون ہے؟"۔

"بیگم صاحبہ !اگرمیں غلطی نہ کروں تووہ کریم کی ماں لگتی ہے"۔

یقیناً وہ غلطی پر ہوگی! کریم کی ماں یہاں کیوں آنے لگی؟ میں اس پریشانی میں کہ یہ کون ہوسکتی ہے، سیڑھیوں سے نیچے اُتری مگر جونہی میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی بلاشبہ میرے مرنے والے چچا زاد بھائی کی ماں سامنے کھڑی تھیں۔ میرے قدموں کی آہٹ پاکر اُس نے اُوپر نگاہ کی اورمجھے اپنی بانہوں میں لے لیا۔

اشکبار آنکھوں کے ساتھ کریم کی ماں کہنے لگی" ۔بلقیس شخصی طورپر آپ کو کچھ بتانے کے لئے مجھ آنا پڑا۔ پہلی بات یہ کہ جنازہ پرمیں نے آپ کودوسرے لوگوں کے درمیان نہ دیکھا۔ مگرمیں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میرے لئے آپ کس قدر دلاسہ کا سبب تھیں مجھے خودسمجھ نہیں آتی۔۔۔۔ کچھ انوکھا تجربہ تھا۔ کچھ خاص اورگرمجوش سا۔ اورآخر کارمجھے معلوم ہواکہ کریم کی ماں سے اُس وقت جبکہ وہ اس قدرغم سے نڈھال تھی۔ یسوع کی بات کرنے کی کیوں آزادی نہ ملی۔

کیونکہ اس سے مراد اُس کے غم کا ناجائز فائدہ اٹھانا ہوتا۔ تاہم اب ماحول کا فی مختلف تھا۔ اپنے ڈرائنگ روم میں بڑے شائستہ اندازمیں بتانے لگی کہ مجھے یسوع کس قدر عزیز ہے اورکس طرح وہ آہستہ آہستہ میرے پرانے منہ زور طریقوں کوتبدیل کررہا ہے اوراس کی جگہ اپنی گرمادینے والی شخصیت کولا رہا ہے۔ کریم کی ماں کہنے لگی کہ یہ سچ ہے کہ آپ کودوسروں کا خیال ہے۔ آپ حقیقت میں میرے غم میں شریک ہونا چاہتی تھی۔ یہ مختصر مگرشاندار ملاقات تھی۔دوطرح سے میری حوصلہ افزائی ہوئی۔ پہلے یہ کہ ایک اورانسان نے مجھ میں تبدیلی کومعلوم کیا اوردوسرے یہ کہ خاندانی قطع تعلق کی زنجیروں کے ٹوٹنے کا آغازہوگیا ہے۔

بہر حال قطع تعلقی کا جلد خاتمہ نہ ہوا۔ ہربار جب ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی تویہ کوئی مشنری ہوتا۔ لہذا ایک صبح محمود کے چھٹے جنم دن سے کچھ پہلے جب نون کی گھنٹی بجی تومیں نے غیر متوقع طورپر فوت ہونے والے چچازاد بھائی کی ماں کی جانی پہچانی آوازسنی "بلقیس" جی ہاں"۔

بلقیس میں فقط یہ کہنا چاہتی تھی کہ جومدد آپ نے مجھے دلاسہ دینے میں کی ہے وہ قابل قدر ہے اُس نے مجھے بتایا کہ میرے دلاسہ اُس کے دل پر کیونکر اثرا ہوا۔

کس قدر دلچسپ بات تھی کیونکہ میں نے توچند الفاظ کہے تھے یقیناً یہ مسیح تھا جس نے دلاسہ دیا تھا۔ چند مزید خوشگوارالفاظ کے بعد گفتگو اختتام پذیر ہوئی۔

اس کے بعد ایک باراوریسوع نے حیران کن کام کیا۔ میں نے بلاواسطہ اس سے متعلق چند الفاظ کہے یا کوئی الفاظ نہ کہا۔ میری وہاں موجودگی تھی۔ اُس کے روح کی نمائندگی کررہی تھی جس کی اس آڑے وقت میں مدد درکار تھی۔

چند ہفتوں میں چند اوررشتہ دارمختصر ملاقاتوں کے لئے آئے وہ محمود کے جنم دن پر اُس کے لئے کھلونے اورمٹھائیاں لے کرآئے تھے۔ کھلے طورپران کی ملاقات کا سبب لڑکے کودیکھنا تھا۔ حقیقت میں ،میں جانتی تھی کہ جنم دن ان کے لئے ایک اچھا بہانہ تھا۔ ان ملاقاتوں سے پُرانے زخم ہرے ہوگئے۔یہ ملاقاتیں مختصر اوربناوٹی تھیں۔ مگرمیرے چاروں طرف اٹھی ہوئی جدائی کی دیوارمیں یہ ایک سوراخ کی مانند تھیں۔

غالباً مسیح کی آوازقبول کرنے کے فیصلہ کوایک برس ہوگیا تھا۔ وقت کس قدرتیزی سے گذرگیا تھا۔

جلدہی پھرمیرا جنم دن آجائے گاایک برس سے میں نے اپنے آپ کو مسیح کے حوالے کردیا ہوا تھا۔ اوراب میں اپنے پہلے کرسمس کومنانے کی راہ دیکھ رہی تھی۔ بلاشبہ یورپ میں رہتے ہوئے میں نے کرسمس کے تہوارکومناتے دیکھا تھا۔ مگر مجھے ہرگز معلوم نہ تھا کہ دن کوکرسمس کی حیثیت سے دیکھنے کا کیا مفہوم ہے۔ کافی دھوم دھام سے کرسمس منایا گیا۔مچل اورمسز اولڈ کرسمس پر میرے لئے تحفے لے کر آئے جس میں کرسمس ٹری اورچرنی کا نظارہ تھا۔ نوکروں نے کرسمس ٹری ڈرائینگ روم میں رکھ دیا اورکاغذ کے ربن سے اُسے خوب سجادیا۔ بایں ہمہ میں مطمئن نہیں تھی۔

تہوار کی خوشیوں سے بہت لطف اٹھایا۔ مگران خوشیوں میں کوئی حقیقی معنی نہیں تھے۔ میں نے سوچنا شروع کردیا کہ میں کرسمس اس طورپر مناؤں جس سے اُس تبدیلی کا پتہ چلے جومیری زندگی میں آئی ہے۔

اورپھر میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ کیوں نہ ایک پارٹی کا اہتمام کیا جائے جس میں نہ صرف مشنریوں کودعوت دی جائے بلکہ گاؤں کے ہر خاص وعام مسیحی کو۔ یکایک میرے خاندان کی طرف سے خبردارکرنے والی،آواز آئی کہ میں اپنے ایمان کا چرچا نہ کروں۔ اس کے ساتھ ہی تحت الشعورمیں یہ آوازاُبھری اگرمجھ پر کوئی مصیبت آئی تووہ حکومت کی سطح پر میری حفاظت نہیں کرسکے گا۔ میں جانتی تھی کہ اس طرح کی کرسمس پارٹی کا خیال بہتوں کے لئے ایک دھمکی سے کم نہیں ہوگا۔ توبھی بہت دعا کرنے کے بعد مجھے یوں لگا کہ جب میں نے اس غیر معمولی اجتماع کے

منصوبے کاآغازکیا تھا، خداوند کی حضوری قوی طورپر میرے ساتھ تھی۔

پس میں نے پارٹی کا اہتمام کردیا جس سے واہ میں ہلچل مچ گئی۔ گاؤں کے لوگ وقت سے پہلے ہی جمع ہونے شروع ہوگئے۔ مشنری بھی ڈرائنگ روم میں کرسمس ٹری کے چوگرد وقت پر پہنچ گئے۔ عبادت شروع ہوئی۔ پھراچانک ایک نوکر سے یہ سن کر حیران ہوگئی کہ میری ایک آنٹی اوراس کے بچے بھی روالپنڈی سے مختصر ملاقات کے لئے آئے ہیں۔

میرا دل دہل گیا۔ اُن کا ردعمل کیا ہوگا؟ اُنہوں نے اُونچے درجے کے لوگوں کا سابرتاؤ کیا۔ پہلے تواُن کے چہرے اُترگئے۔ پھرخاموشی سے وہ ایک اورکمرے میں چلے گئے جہاں وہ غصہ کی حالت میں خاموش بیٹھے رہے۔

ان دوگروہوں میں سے ،میں کسی سے بھی بے پروائی کا برتاؤ نہیں کرسکتی تھی۔ میں نےاپنا وقت ایک کمرے سے دوُسرے کمرے میں آنے جانے میں بسر کیا۔ میری حالت ایک ایسے شخص کی سی تھی جوکبھی گرم پانی کے شادرکے نیچے ہو اورکبھی سردپانی کے شادرکے نیچے۔

بعد میں شائد میری مستقل مزاجی کے سبب سے میرے خاندان کے کچھ ممبران کا غصہ کافورہونے لگا۔ چند ایک توڈرائنگ روم میں جاکر پارٹی میں بھی شامل ہوگئے۔ اختتام تک وہ مچل اوراولڈ سے بات چیت میں مشغول تھے۔

پارٹی کا ہرجگہ چرچا ہوا۔ مجھے ایک مختلف قسم کے سال کے آغازکی اُمید تھی۔ بلاشبہ آسان نہیں مگرمختلف کیونکہ اچانک میرے سامنے بہت سے چوراہے تھے۔میرے غلط راہ اختیارکرنے سے مجھے مصیبت میں ڈال سکتے تھے۔ کیونکہ دوستوں اوررشتہ داروں کے علاوہ ایک مختلف قسم کا ملاقاتی آیا۔ اُن لوگوں کا مقصد مجھے واپس اسلام کی طرف لانا تھا۔مجھے محسوس ہوتا تھا کہ کچھ تماشائی اس تاڑمیں تھے کہ میں ان آوازوں کا جواب کیونکر دیتی جو مجھے واپس اسلام کی طرف لانا چاہتی تھیں۔اب کیا مجھے خاموش رہنا چاہیے یا اپنے دل کی بات کہہ دینی چاہیے؟ اب ان لوگوں سے بات کرتے وقت جب کبھی میں چالاکی سے کام لیتی تو میں بے چین اورتنہا محسوس کرتی۔ لیکن جب کبھی سوالوں کی بوچھاڑکا

جواب دوستی سے اورمحبت سے دیتی تومیں محسوس کرتی کہ خداوند بذاتِ خود میرے ساتھ ہوتا۔

مثال کے طورپر ایک بعد ازدوپہر دروازے پر ہلکی دستک ہوئی میں حیران تھی کیونکہ دوبجے کون آسکتا تھا۔ دروازہ کھلنے پر ریشم اندرآئی اور کہنے لگی۔ بیگم صاحبہ! کوئی ملنے والا آیا ہے۔ اس کی نرم آوازمیں ایک جھجک سی تھی۔ میں نے ریشم کوبتایا تھاکہ اچھا ہے کہ بعد ازدوپہر دوسے تین بجے تک مداخلت نہ کی جائے توبھی یہ ایک حکم نہیں تھا۔ایک سال پہلے میں یوں کہتی کہ چاہے کچھ بھی ہومداخلت نہ کی جائے۔ اب میں نے اُسے بتایا ہوا تھاکہ میں اب وقت کواپنا نہیں سمجھتی بلکہ وقت بھی خداوند کی ملکیت ہے۔ اگرکوئی ایسی بات ہوتی جس میں وہ بذاتِ خود خیال کرتی ہو میرا ہونا لازمی ہے۔ تووہ بلاشبہ کسی وقت بھی کمرے میں آنے کی جرات کرسکتی ہے۔

بیگم صاحبہ ملاقاتی انگریز ہے اورکہتاہے کہ وہ خدا کے بارے میں بات چیت کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے اُسے بٹھاؤ میں ابھی ڈرائنگ روم میں آرہی ہوں۔ ایک انگریز میرا منتظر تھا۔ دلچسپی کا باعث تھا کہ وہ پاکستان کے قومی لباس شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ اطلاع دیئے بغیر آنے کی معافی چاہتے ہوئے وہ اپنے مدعا کی طرف آیا۔ کہنے لگا "میں آپ کوملنے کی خاطرکراچی سے آرہا ہوں"۔ چونکہ اُس نے بحیثیت ایک انگریزاسلام قبول کیا تھا لہذا میرے خاندان کے لوگوں کوگمان تھاکہ ایک انگریز جواسلام قبول کرچکا ہے مجھے زیادہ متاثرکرے گا۔

کھنکارتے ہوئے اورتردد کے ساتھ اُس نے اپنے بیان کوشروع کیا۔ کہنے لگا" بیگم " اُن مسلمانوں کے بارے میں جومسیحیت کی طرف پھرتے ہیں ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ بائبل ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ مسیحیوں کی انجیل جوخدا کی طرف سے تھی بدل دی گئی ہے۔

وہ بائبل کے خلاف اسلام کا سب سے بڑا اعتراض بیان کررہاتھاکہ یہ اس قدرتبدیل کردی گئی ہے۔ موجودہ ترجمہ ناقابل اعتماد ہے مسلمانوں کادعویٰ ہے کہ اپنی ابتدائی صورت میں یہ قرآن آج تک ہے۔

میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ یہ گمان نہیں کریں گے کہ میں مذاق کررہی ہوں۔ درحقیقت میں معلوم کرنے کی مشتاق ہوں۔ میں نے اکثر سنا ہے کہ بائبل بدل چکی ہے۔ لیکن مجھے آج تک یہ پتہ نہیں چلا کہ اُسے کس نے بدلا ہے۔ کب ردوبدل ہوا۔ کون سے حولے تبدیل ہوئے وہ گہری سوچ میں گم چھت کی طرف تکتا رہا ۔میں نے اندازہ لگایاکہ میں نے اُس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم تھاان سوالوں کے جواب نہیں ملتے۔

بیان کوجاری رکھتے ہوئے میں نے کہا" آپ جانتے ہیں کہ میں اس تحقیق کی بناء پربات کررہی ہوں جومیں نے کی ہے۔

برطانوی میوزیم میں بائبل کا قدیم نسخہ موجود ہے جوحضرت محمد کی پیدائش سے تین سوبرس پیشترکا ہے۔ اسلام اورمسیحیت کے درمیان یہ قدیم نسخے ہربات میں بائبل کے جدید ترجمہ کے ساتھ متفق ہیں۔ ماہرین کا کہناہے کہ ہرایک بنیادی بات میں بائبل اپنی ابتدائی شکل میں موجود ہے۔ شخصی طورپر میرے لئے یہ اہم ہے کیونکہ میرے لئے بائبل خدا کا زندہ کلام بن گئی ہے۔ یہ میری روح سے بات کرتی ہے اورمیری روح کی پرورش کرتی ہے۔ یہ میرے راہ کے لئے روشنی اورمیرے قدموں کے لئے چراغ ہے۔

میری بات ختم ہونے سے پہلے ہی وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔ میں نے مزید کہا کہ یہ جاننا ضرورسمجھتی ہوں کہ کیا کوئی ایسی جگہیں ہیں جہاں میں اپنے آپ کو بیوقوف بنارہی ہوں۔ کیاآپ مجھے بتاسکتے ہیں؟

وہ کہنے لگا آپ توکلام کی بات یوں کرتی ہیں گویاکہ یہ زندہ ہے۔ میں نے کہا اگرکلام سے آپ کو مراد مسیح ہے تومیرا اعتقاد ہے کہ وہ زندہ ہے ۔ قرآن میں مرقوم ہے کہ کلمتہ اللہ ہے۔

وہ کہنے لگا کسی اوروقت بات ہوگی۔ اب مجھے جانا چاہیے"۔

بات یہاں ختم ہوگئی۔ میں نے دروازے پر اپنے ملاقاتی کوالوداع کہا اورپھر آنے کی دعوت دے دی۔ وہ توکبھی نہ آیا مگراوربہت آئے جن میں کچھ ایسے تھے جوایسی غلط فہمیوں کے سبب سے بحث میں بہت تیز تھے۔ میں اُس آدمی کو کبھی

فراموش نہیں کروں گی جس نے مسیحیوں پرتین خداؤں کی پرستش کا الزام لگایا۔

کہنے لگا" آپ جسے تثلیث کہتے ہیں وہ خدا، مریم صدیقہ اور عیسیٰ علیہ السلام پر مشتمل ہے"۔ آپ مسیحیوں کا کہنا ہے کہ خدا نے مریم کوبیوی بنایا اوراُن کے ملاپ سے حضرت عیسیٰ نے جنم لیا۔ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا اللہ کی بیوی نہیں ہوسکتی"۔ میں نے دل میں دعا کی اور خیالات کا ایک سلسلہ میرے ذہن میں آیا۔

میں نے پوچھا کیا آپ قرآن پڑھتے ہیں؟ بلاشبہ میں پڑھتا ہوں۔ اچھا توکیاآپ کویاد ہے کہ قرآن کیونکر بیان کرتا ہے کہ مسیح خدا کے " حکم " سے پیدا ہوا۔ میں نے اکثراس پرغور کیا کہ قرآن کیونکر ان عجیب حقائق کوبیان کرتا ہے۔ شائد آپ نے سادھو سندرسنگھ کے بارے میں سنا ہو۔ جوبڑا پکا سکھ تھا اورجس پرسیدنا عیسیٰ رویا میں ظاہر ہوا۔ سیدنا عیسیٰ نے اسے تثلیث کواس طرح سمجھایا جس سورج میں گرمی اورروشنی دونوں موجود ہیں مگرتپش اورروشنی دونہیں ہیں۔ مگرایک ہی ہیں۔ اگرچہ اپنے ظہورمیں اُن کی مختلف صورتیں ہیں اسی طرح مسیح اورروح القدس باپ سے صادرہوکردنیا کوروشنی اورگرمی دیتے ہیں۔ توبھی یہ تین نہیں ہیں۔ مگرایک ہی ہیں۔ جس طرح سورج ایک ہی ہے۔

جب میں نے بات ختم کی توکمرے میں سکوت طاری تھا میرا مہمان گہری سوچ میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد میرا شکریہ اداکرتے ہوئے رخصت ہوا۔

جونہی میں نے چلتے ہوئے اُس کے اُداس چہرے پر نگاہ کی تومجھے یہ خیال گذرا کہ ان لوگوں سے یہ مختصر ملاقاتوں کوکیاخدا اپنے جلال کے لئے استعمال کرسکتا ہے۔

مجھے کسی وسیلہ سے پتہ نہ چل سکا۔ کیونکہ میں نے ان میں سے کسی کے بارے میں پھر کبھی نہ سنا۔ اس سے کوئی فرق نہ پڑا۔ شائد مجھے نتائج کے بارے میں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ جس چیز کی ضرورت تھی وہ فرمانبرداری تھی۔ اگرخدا نے مجھے ان لوگوں سے بات کرنے کا موقع دیا تویہی کافی ہے۔

سردیوں کے اختتام اوربہار کے آغازمیں خدائے تعالیٰ نے مجھے اورطریقے سکھائے۔ میں لاہورگئی۔ اپنے بیٹے خالد

سے بات نہ کرسکی۔ آتے وقت میں نے بائبل کی ایک سوجلددیں خریدلیں اورجواسے پڑھنے کے مشتاق تھے ان میں تقسیم کردیں۔

مسیحی ٹریکٹ بھی خریدے ہرموقع پر انہیں بانٹا۔ یہ دیکھ کر کہ کئی بارلوگ ان کی بے قدری کرتے اوررردی کوٹوکری میں پھینک دیتے میرے دل میں یہ سوال پیدا ہواکہ " اے خداوند کیا یہ کام تیری مرضی کے مطابق ہے؟ میں نے بھی یہ دعا کی کہ خداوند ابھی تک میری خدمت میں کوئی پھل نہیں لگا۔ میں نے جن جن سے مسیح سے متعلق بات کی تھی اُن میں سے کسی نے بھی مسیح کو قبول نہیں کیا تھا۔

جونہی میں نے دعا کی حضوری بڑے زورسے کمرے میں محسوس ہونے لگی۔ یوں لگتا تھاکہ فضا اُس کی قوت اوردلاسہ سے معمور ہے میں نے اپنے دل سے یہ آوازسنی۔ بلقیس! میں تم سے صرف ایک سوال پوچھتا ہوں! اُن موقعوں پرپھر غورکرو جن میں تم نے اپنے خاندان کے لوگوں اورعزیزوں سے گفتگو کی، اُن موقعوں پر غورکرو جن میں تم نے اُن لوگوں کوقبول کیا جوبحث کرنے کے لئے آئے۔ ان ملاقاتوں میں کیا تم نے میری حضوری محسوس کی؟"

ہاں خداوند ! ہاں یقیناً میں نے محسوس کی تھی! کیا میرا جلال وہاں موجود تھ؟ ہاں خداوند!

توپھر تمہیں اورکیا چاہیے۔ اپنے عزیزوں سے بات کرنے کا یہی ڈھنگ ہے۔ نجات تمہارا مسئلہ نہیں ۔ تیری ضرورت فقط فرمانبرداری ہے۔ میری حضوری کی تلاش کرونہ کہ نتائج کی۔

پس میں نے اپنے کام جاری رکھا۔ مگرعجیب بات یہ تھی کہ یہ کام بہت لطف اندوز بن گیا۔ خداوند نے میری آنکھیں نتائج سے ہٹاکر اپنی حضوری کی طرف لگادی تھیں۔ اب عزیزوں سے بات کرتے وقت میں ہراساں نہیں ہوتی تھی۔ میں نے موقعوں سے فائدہ اٹھانا سیکھ لیا۔ گفتگو چاہے سیاست پر ہوتی یا کپڑوں پرمیں خداوند سے درخواست کرتی کہ وہ کوئی ایسا سوال پیدا کرے جس سے اُس کی گواہی کا موقعہ ملے۔ مثال کے طورپر ایک دفعہ جب میں اپنی بھانجی

سے باتیں کررہی تھی توگفتگو میں میرے خاوند کی بات چھڑگئی اب وہ جاپان میں پاکستان کے سفیر تھے۔

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ اگرخالد آپ کے گھر آئے توآپ کیا کریں گی؟ میں نے اُس کی آنکھوں میں تکتے ہوئے کہا میں اُنہیں خوش آمدید کہوں گی۔ اُن کی خدمت میں چائے پیش کروں گی۔ میری بھانجی نے بے یقینی کے عالم میں میری طرف دیکھا۔ بات جاری رکھتے ہوئے میں نے کہا" میں نے اسے معاف کردیا ہے۔ اورمجھے اُمید ہے کہ اُس نےمجھے اُن باتوں کے لئے جن سے میری طرف سے اُنہیں ضررپہنچایا ہے معاف کردیا ہوگا۔

آپ اُسے اس طرح کیونکر معاف کرسکتی ہیں! میری بھانجی جانتی تھی کہ ہم کن مشکلات سے گذرے تھے۔ میں نے بیان کیاکہ یقیناً اپنے زورسے اُسے معاف نہیں کرسکتی تھی۔ یسوع نے میری مدد کی ہے۔ اُس نے نفرت کے بوجھ کومجھ سے دورکردیا ہے۔

تھوڑی دیرخاموش رہنے کے بعد میری بھانجی بولی اچھا! تویہ ہے مسیحیت جس سے میں بے بہرہ تھی۔ اگرآپ اس طرح زندگی بسر کرنے لگ جائیں تومیں پہلی ہوں جوآپ کے یسوع کے بارے میں سیکھنے آؤں گی"۔

یہاں بھی مجھے مایوسی ہوئی۔ مجھے بہت اُمیدیں تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ یقیناً میری بھانجی اس موضوع پر پھرگفتگوکرے گی مگراُس نے کبھی نہ کی۔

ایسے موقعے آئے جن کے دوران خداوند کی حضوری مجھ سے جدا ہوگئی۔ یہ ہمیشہ اُس وقت ہوا جب شیطان مجھے قائل کرلیتا کہ میں بہت اچھی باتیں کرسکتی ہوں۔ میرے دلائل حقیقت میں کافی وزنی ہوتے تھے۔ میں نے اس سے بھی معافی چاہی۔ میں نئے سبق سیکھ رہی تھی۔

مثال کے طورپر ایک روزمیرے ایک عزیز نے مجھے پوچھا کہ آپ الگ تھلگ کیوں رہنا چاہتی ہیں؟ آپ کوتسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم میسحی ہوں، مسلمان ہوں، ہندوہوں، بدھ ہوں یا یہودی ہوں، ہم ایک ہی خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ ہم اُسے مختلف ناموں سے پکارسکتے ہیں۔ اورمختلف اطراف سے اُس کی طرف جاسکتے ہیں۔ آخرکارخدا توایک ہی ہے۔

آپ کا مطلب ہے کہ وہ ایک پہاڑکی چوٹی کی مانند ہے جس کی طرف بہت سے راستے جاتے ہیں؟ وہ اس بات کوسن کرخاموش رہ گیا۔

میں نے ایک اورحملہ کردیا

میں کہنے لگی، ٹھیک ہے یہ مان لیاکہ خدا پہاڑکی چوٹی کی مانند ہے۔ مگراس کی طرف صرف ایک ہی راستہ جاتا ہے اوروہ سیدنا عیسیٰ مسیح ہے۔ خداوند نے کہا ہے راہ، حق اورزندگی میں ہوں۔ میں کرختگی سے کہنے لگی کہ فقط وہی ایک راہ ہے۔ میں دلائل بائبل کے مطابق اوردرست دے رہی تھی۔ مگرروح کی ہدایت سے نہیں میرے عزیز نے کہا کہ" بلقیس !کیاآپ کوکسی نے بتایا کہ آپ کی طبیعت میں ابھی تک گرمی ہے"۔ میں جانتی تھی کہ خدا اُس کے وسیلہ سے مجھے سکھارہا ہے۔ میں نے خداوند سے اپنے دل میں معافی مانگی اور کہا کہ وہ میری زندگی کا قبضہ اپنے ہاتھ میں لے۔ میرا ملاقاتی رخصت ہوا۔ نہ جانے خداکی نزدیکی میں یا اُس سے دُورمیں یہ کبھی نہیں جان سکوں گی۔ لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ میں ان غلطیوں سے اُس کی آوازکی شنوا ہونا اورفرمانبرداری کرنا سیکھ رہی ہوں۔

اورپھرایک شب اُسی طرح کا ایک اورتجربہ ہوا۔ جو بیشتر مسیحی ہونے کے بعد مجھے ہوا تھا۔ میں اپنے کمرے میں سونے کی تیاری میں تھی کہ اچانک میں نے تاریکی کی قوت کواپنی خواب گاہ کی کھڑکی کے نزدیک محسوس کیا۔ یکایک میرا ذہن اپنے محافظ کی طرف مڑا اورمجھے کھڑکی کے قریب نہ جانے کے لئے خبردارکیا گیا۔ میں فرش پر دُعا میں دوزانو ہوگئی اوراپنے خداوند سے درخواست کرنے لگی کہ مجھے اس طرح چھپالے جیسے مرغی اپنے بچوں کواپنے پروں تلے چھپاتی ہے۔ اورمیں نے اُس کی بچانے والی قوت کو محسوس کیا۔ جب میں اٹھی توتاریکی کی قوت جاچکی تھی۔

اگلی صبح میں مچل کے گھر گئی۔ سورج آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ مگر میں ابھی تک خوف سے کانپ رہی تھی۔ ان کے دروازے کی طرف چلتی ہوئی میں اس تجربہ کو بتانے میں جھجک محسوس کررہی تھی مجھے ڈرتھا کہ شائد وہ اسے نہ سمجھ سکیں۔

دروازہ پر مسزمچل خوشی سے مجھے گلے ملیں۔ پھرایک قدم پیچھے ہٹی۔ اُس کی نیلی آنکھوں میں سوال تھا۔ وہ پوچھنے لگی بلقیس کیا بات ہے؟ میں نے یہ کہنے کی جرات کی کہ مجھے یہ بتاؤ کہ مسیحی ہونے کے باوجود خوفناک باتیں کیوں وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئی جہاں ہم بیٹھ گئے۔

پریشانی کے عالم میں وہ کہنے لگی" درحقیقت میں آپ کا مفہوم نہیں سمجھی" کیا کسی نے آپ کودھمکی دی ہے؟ میں نے جواب دیا کسی انسان نے نہیں مگرغیر مرئی قوت نے۔ حیرانگی کا اظہارکرتےہوئے وہ اپنی بائبل لانے کے لئے اٹھی بائبل کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہنے لگی " افسیوں ۶باب میں اس قسم کی بات کا تذکرہ ہے"۔ ہمیں خون اورگوشت سےکشتی نہیں کرنا ہے بلکہ حکومت والوں اوراختیاروالوں اوراس دنیا کی تاریکی کے حاکموں اورشرارت کی ان روحانی فوجوں سے جوآسمانی مقاموں میں ہیں"۔

اُس نے میری طرف نگاہ کی۔ اُس رات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے میں نے کہا یقیناً یہی بات ہے۔ اُس نے بڑے دھیان سے سنا اورپھربولی کہ آپ اِس کے بارے میں اولڈ سے کیوں بات نہیں کرتیں۔ ہنستے ہوئے میں نے ٹھیک ہے لیکن مجھے پتہ نہیں کہ میں اس معاملے کواورطول دونگی یا نہیں۔حکومت والوں اوراختیاروالوں اوراس دنیا کی تاریکی کے حاکموں اورشرارت کی ان روحانی فوجوں سے جوآسمانی مقاموں میں ہیں"۔

اُس نے میری طرف نگاہ کی ۔ اُس رات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے میں نے کہا یقیناً یہی بات ہے۔اُس نے بڑے دھیان سے سنا اورپھربولی کہ آپ اس کے بارے میں اولڈ سے کیوں بات نہیں کرتیں۔ ہنستے ہوئے میں نے کہا ٹھیک ہے لیکن مجھے پتہ نہیں کہ میں اس معاملے کواورطول دونگی یا نہیں۔ جب ہم عبادت کے لئے مسٹر اولڈ کے گھر میں شام کوجمع ہوں گے تومیں اس کا ذکر نہ چھڑنے کا فیصلہ کیا۔ مجھے گمان تھا کہ بات چھیڑنے سے میں صرف احمق کہلاؤں گی۔ شائد یہ محض میرا تصورتھا۔ تاہم جونہی میں صوفے پر بیٹھے ہوئے مسز اورمسٹر اولڈ سے محوگفتگو تھی تومیں اسے بیان کئے بغیرنہ رہ سکی۔

میں نے سادہ دلی سے اُسے بیان کرنے کی کوشش کی۔ میں نے کہا مسز اولڈ گذشتہ رات مجھے اس قدرخوف ناک تجربہ ہوا کہ میں اسے بیان نہیں کرسکتی۔ اس کا خاوند معمول کے مطابق ہمارے پیچھے کھڑکی کے قریب بیٹھے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے۔ مجھے سننے کے بعد اس نےاپنی کتاب ایک طرف رکھ دی اورمیری بات بتانے میں جھجک کومحسوس کرتے ہوئے مجھے بڑی نرمی سے پورا قصہ بیان کرنے پر اُکسایا۔ جب میں نے بات ختم کرلی تومیں نے ہنسنے کی کوشش کی۔ اور کہا شائد میرے ذہن کی خرابی تھی۔ اس نے خاموش لہجہ میں کہا باتوں کا کوئی مطلب ہے، مافوق الفطرت باتیں ضرورہوتی ہیں۔ وہ میرے سامنے کرسی پر بڑی سنجیدگی سے بیٹھ گیا۔

اس نے بیان کیاکہ کیونکر تاریکی کی مافوق الفطرت قوت کوخدا ہم پر آنے کی اجازت دے سکتاہے۔ تاکہ وہ ہمارا امتحان کرے۔ مثال دیتے ہوئے مسٹر اولڈ نے پُرانے عہدنامہ سے بتایاکہ کس طرح خدا نے شیطان کوایوب پر حملہ کرنے کی اجازت دی اورکس طرح خدا نے شیطان کواجازت دی کہ وہ بیابان میں مسیح کوآزمائے۔کین نے بیان کیاکہ یہ دونوں آزمائشیں تھیں۔ اس نے مزید کہا کہ ہربار جس پر شیطان نے حملہ کیا وہ اس لئے فتح مند ہواہ اُس کا خدا پر ایمان تھا۔ مجھے وہ تجربہ بھی یادآگیا جومیرے بپتسمہ لینے سے دوشب پیشتر مجھے ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ سیکھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ مسٹراولڈ کی میں شکرگزار ہوں جس نےمجھے تعلیم دی کہ خداوند مجھے تنہائی میں رہنے کا سبق سکھارہا ہےاس سے مجھے تسکین تھی۔

میرے خاندان کی طرف سے زیادہ قطع تعلقی کا امکان تھا۔ مگرمیں ایک اورخاندان میں رہی تھی جومیرا مددگار۔ واہ میں میری جڑیں کمزور ہوتی گئیں اورنئے روحانی شہر میں میری جڑیں گہری ہوتی گئیں۔

ان آزمائشوں کوبرداشت کرنے کے سبب سے خداوند مجھے آہستہ آہستہ ایسی جگہ پرلا رہا تھا۔ مجھے مکمل طورپر اُس پراعتمادکرنا تھا۔

گیارھواں باب

بدلتے رُخ

اتوار کے روز دعائیہ عبادت کے دوران مسٹر اورمسز اولڈ کوبڑی سنجیدگی سے بیٹھے دیکھ کر میں نے پوچھا کہ آپ اس قدرسنجیدہ کیوں ہیں۔ مسٹراولڈ نے بتایا کہ وہ ایک برس کے لئے اپنے ملک جارہے ہیں۔ میرا اولین ردعمل بے قراری تھا۔ میں اولڈ کے بغیر کیونکر رہوں گی۔ بلاشبہ مسٹر اورمسز مچل موجود ہوں گے۔ مگریہ دونوں خاندان میرے لئے حوصلہ افزائی کا باعث تھے۔ مچل کے خاندان کے ذریعے میں نے مسیح کوجانا تھا۔ مسٹراولڈ اورمسزاولڈ نے مجھے گہری رفاقت دی تھی۔ کیا یہ دونوں خاندانوں کی جدائی کا آغازتونہیں تھا؟

مسزاولڈ میری دلی حالت کوجانتی ہوئی میری طرف آئی اورمیرا ہاتھ تھام کر اشک آلود آنکھوں سے کہنے لگی پیاری بہن "اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کرنا کہ یسوع کے سوا تمام عزیزوں کوکسی نہ کسی مقام پر داغِ مفارقت دنیا ہی ہوگا"۔ مسٹراولڈ بھی میرے قریب آگیا۔ کہنے لگا" بلقیس بے مقصد خدا کبھی آپ کومحفوظ مقام سے نہیں نکالتا۔ اس سبب سے دکھ میں بھی آپ خوشی سے رہنے کا آغازکرسکتی ہیں۔ اولڈ مچل اورمیرے اکٹھے رہنے میں صرف چند ہفتے باقی تھے۔ اُن کے جانے کا دن قریب آتا جاتا تھا۔ اِن کی جدائی کے احساس کودبانے کی ہرکوشش ناکام ہوگئی۔ان کی روانگی کے روز جب میں اُن کے گھر گئی توغم اوردل کے بوجھ کوچھپانے کی ہرکوشش ناکام ہوگئی۔

ہم نے جرات سے الوادع کہنے کی سعی کی۔ مگرہمارے دلوں میں ایک درد تھا۔ جب ہم نے سامان سے لدی ہوئی گاڑی کو بڑی سڑک پرچڑھتے دیکھا تویوں لگتا تھاکہ زندگی اس قدرخوشگوارکبھی نہ ہوگی۔اس روزجب میں گھر کی طرف اپنی گاڑی میں آرہی تھی تومیں اس عجیب بوجھ کے تلے دبی ہوئی تھی۔ مخالف معاشرے میں، میں گویا اکیلی رہ گئی تھی۔ یہ خیالات مضحکہ خیز تھے، کیونکہ مچل بہرصورت ابھی میرے ہمراہ تھے۔

ایک صحیح اس بدلتے ہوئے سلسلہ نے غیر متوقع طورپرایک نیا رُخ لیا۔مسٹراولڈ کے جانے کے چند ہفتے بعد

ڈاکٹر دانی ایل بخش نے مجھے فون کیا کہنے لگے کہ وہ اورڈاکٹر اسٹنیلے ایک گروپ کی رہنمائی کررہے ہیں۔ جس کا نام والڈ ویژن ہے اورجس کا ہیڈکوارٹر امریکہ کی ریاست کیلیفورنیا میں ہے وہ مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ میں نے کبھی اس تنظیم کا ذکرنہیں سنا تھا۔ مگرمیرے دروازے ہرایک کیلئے کھلے تھے۔ حتیٰ کہ ان لوگوں کے لئے بھی یہ محض یہ جاننے کے لئے آتے تھے کہ ایک مسلمان مسیحی ہونے کے بعد کیسے لگتا ہے۔

چند روز کے بعد وہ دونوں آگئے۔ جب ہم نے کھانا ختم کیا توڈاکٹر اسٹینلے نے بات کا آغاز کیا۔ مجھے محسوس ہواکہ وہ میری تبدیلی کے ساتھ ساتھ میرے باغبان کی تبدیلی میں بھی دلچسپی رکھتا ہے۔چائے پیتے وقت وہ اپنے مدعا کی طرف آیا۔ ڈاکٹر اسٹنیلے نے پوچھا میڈم شیخ !کیا خداوند کی گواہی کے لئے آپ سنگاپورچلیں گی۔"سنگاپور"؟

ڈاکٹر بیلی گراہم نے ایک بڑی کانفرنس کا اہتمام کیا ہے۔ جس کا عنوان ہے" مسیح ایشیا کی تلاش میں"۔ یہ ایشیا کے تمام مسیحیوں کے لئے ہوگی۔ آپ کی گواہی ہم سب کے لئے تحریک کا باعث ہوگی۔یہ درست نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ دنیا کے دوسرے حصوں میں جانے کے بجائے واہ ہی میں بہت کام تھا۔ میں نے کہا" ٹھیک ہے"۔ میں اس کے لئے دعا کروں گا"۔

ڈاکٹر اسٹنیلے کہنے لگا" ضرورکیجئے" پھرتھوڑی دیر میں وہ رخصت ہوگئے۔ ڈاکٹر اسٹنیلے کے رخصت ہونے کا کافی دیر بعد میں برآمدہ میں بیٹھی اس دعوت اوردعا کرنے کے وعدے پر غورکرتی رہی۔ میں موقع سے فائدہ اٹھاکر جانے اوربالکل جانے کا خیال نہ کرنے کے خیالوں میں تھی۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔

بلاشبہ میرے پاسپورٹ کی مدت ختم ہونے والی تھی۔ اگرمجھے سنگا پورجانا ہے تواس کی تجدید کروانی ہوگی۔ اُس وقت پاکستان میں پاسپورٹ کے بارے میں بڑی دشواریاں تھیں۔ کچھ لوگوں نے تجدید کے لئے اپنے پاسپورٹ بھیجے واپس نہ آئے۔ کیوں نہ اس قسم کے حالات کوخداوند کی آواز پہچاننے کے لئے استعمال کیا جائے؟ اگروہ چاہتا ہے کہ میں جاؤں تووہ اس پاسپورٹ کی حفاظت کریگا۔ اسی بعد

ازدوپہر میں نے ضروری فارم پُر کرکے پوسٹ کیا۔ مجھے یقین تھا کہ کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

غیر متوقع طورپر ایک ہفتہ بھر میں تجدید شدہ پاسپورٹ میرے ہاتھ میں تھا۔ چند ماہ بعد میں محمود کوالوداع کہہ کر لاہورکی طرف روانہ ہوئی۔ کراچی جانے سے پہلے اپنے بیٹے خالد سے مختصر ملاقات ہوئی۔ کراچی سے سنگاپور کے لئے طیارہ لینا تھا۔ مجھے خداوند کوجانے کوئی ڈیڑھ برس گذرگیا تھا۔ توبھی خالد میرے باقی خاندان کی طرح اب میرے مسیحی ہونے کوخاص اہمیت نہ دیتا تھا۔ مجھے شک گذرا کہ وہ یہ خیال کررہا تھاکہ اڑتالیس برس کی عمرمیں اس طرح سے باہر جانا عجیب سا تھا۔ مگرماں کی عزت ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے وہ کچھ نہ بولا اورملاقات سے خوشگواررہی۔

بعد میں جونہی میں کراچی سے طیارہ پر بیٹھی تومجھے خیال ہواکہ جس کام میں کررہی ہوں"۔ اس کے پیش نظر خالد کی سوچ درست تھی۔ آخرسنگاپورجانے والے طیارہ پر بیٹھ کرمیں کیاکررہی ہوں؟

اِس جہاز پر بہت سے مسیحی گاررہے تھے اورخدا کی تعریف کررہے تھے۔ میرے لئے یہ سب نیا تھا۔ اورمیں ان کی اس خوشی سے شرمسارسی تھی۔ کیونکہ مجھے یہ کچھ مصنوعی سی خوشی لگی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ میرا یہ دورہ اس زندگی کی طرف پہلا قدم تھا جومیں مستقبل میں بسرکروں گی۔

میں نے اپنے آپ سے کہا اے خداوند میں اس لائق نہیں ہوں کہ اتنے بڑے کام کو سرانجام دوں۔ واہ میں اپنے مسیحی کردار کوادا کرنے میں چین سے تھی۔ میرے لئے مسیحیت بڑی ذاتی سی خوشی تھی ، جیسے میں اپنی مرضی سے دوسروں کے ساتھ شریک کرسکتی تھی۔ میں اس خیال کوپسند نہیں کرتی تھی کہ سینکڑوں یا ہزاروں اجنبی لوگوں میں اس خوشی کا چرچاکروں۔

جونہی جہازپروازکرنے لگا میں نے کھڑکی میں سے دیکھا کہ سب کچھ دھندلکے ہیں"پیچھے رہ گیاہے۔ اگرچہ میں جانتی تھی کہ چند روزمیں ،میں واپس آرہی ہوں توبھی کوئی چیز مجھے خبردارکررہی تھی کہ یہ حقیقت ہے کہ یہ صرف آغاز ہے۔ اگرچہ میں جسمانی طورپر اپنے گھرلوٹ آؤں گی توبھی

ایک اورطرح سے میں کبھی واپس نہیں لوٹوں گی جہاز پر مسیحیوں کا یہ گروپ اب میرا گھر تھا۔

سنگاپور کے ائرپورٹ سے ہم سیدھے کانفرنس ہال کی طرف گئے۔ جلسہ کا آغاز ہوچکا تھا۔ اوراچانک پھربڑی پریشانی سے میں نے محسوس کیاکہ مسیحیوں کے اس اجتماع میں میرا رویہ مختلف تھا۔

کانفرنس ہال میں ہزاروں مرد اورخواتین تھیں، میں نے اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کااجتماع کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جونہی میں ہال میں داخل ہوئی ہرایک یہ گیت گارہا تھا" توہے عظیم" میں نے خدا کی روح کی حضوری کوانوکھے طورپر محسوس کیا" مسرت سے میری آنکھوں سے آنسورواں تھے۔ میں نے اتنے بڑے اجتماع کوپہلے خداکی تعریف کرتے ہوئے کبھی نہ سنا تھا۔ میرے لئے یہ عجیب اجتماع تھا۔ بہت سے ملکوں کے لوگ خداوند کی تعریف میں مگن تھے۔

جہازمیں بیٹھے ہوئے لوگوں سے یہ سماں فرق تھا۔ اُس وقت میں نے جاناکہ جہازمیں میرے ہمراہی ان سے فرق تھا۔ شائد وہ ڈرے ہوئے تھے۔ نئی جگہ کی وجہ سے یہ شائد پرواز کے ڈرسے وہ آپس میں ایسی گفتگو کررہے تھے جس میں روح کی تعریف نہ تھی۔

مگریہاں کانفرنس میں حالات مختلف تھے۔ عام گفتگو کی بجائے پرستش کاآغازہوچکا تھا۔ اگرمیری بلاہٹ سے مُراد اس قسم کے لوگوں کی سنگت ہے تومجھے منظور ہے۔ ایک بات ابھی تک مجھے ستارہی تھی کیا واقعی ہی مجھے ان ہزاروں لوگوں کے سامنے اٹھ کر بولنا تھا۔ واہ میں جن لوگوں کومیں ذاتی طورپر جانتی تھی اُن کو اپنے تجربات بیان کرنا ایک الگ بات تھی۔ مگریہاں ؟ اجنبی لوگ مختلف زاؤیوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں بالکل محفوظ محسوس نہیں کرتی تھی۔

جلدی جلدی ہوٹل میں جاکر میں نے اپنا سامان درست کرنے کی کوشش کی۔ کھڑکی سے باہر نگاہ کرنے سے معلوم ہوا کہ سنگاپور، لندن اورپیرس سے کس قدر مختلف ہے، سڑکوں پرچلنے والی بھیڑاورخریدوفروخت کرنے والوں کا شور مجھے بے چین کررہا تھا میں نے جلدی سے پردا گرادیا۔ اورکمرے کی دوسری طرف جا بیٹھی اوراپنے بے قرار دل کو دلاسا دینے لگی۔ میں نے چلاتے ہوئے کہا " اے خداوند تیرا

دلاسا دینے والی رُوح کہاں ہے؟" اچانک مجھے اپنے والدہ کے ہمراہ واہ کی منڈی میں چلتے ہوئے بچپن کا ایک واقعہ یادآگیا۔ والد صاحب نے مجھے تلقین کی کہ میں اُس کے قریب رہوں مگرمیں ہمیشہ اس سے دورچلی جاتی۔ ایک روزیوں ہوا کہ ایک پھول کوخوبصورتی کودیکھ کر میں اس کی طرف دوڑگئی۔

اچانک مجھے معلوم ہواکہ میرے والد میرے ساتھ نہیں ہیں۔ افراتفری کے عالم میں ،میں نے اپنے والد کوپکارنا شروع کردیا۔ میں کہنے لگی" ابو! آکر مجھے ڈھونڈلو اورمیں پھر آپ سے کبھی دُورنہیں ہوں گی"۔ میرے پکارنے کی دیر تھی کہ میرے والد صاحب بھیڑ کوچیرتے ہوئے ،میرے رُوبرو آکھڑے ہوئے۔ میں دوبارہ اُن کے ہمراہ تھی۔ اوراب میری یہی تمنا تھی کہ میں ان کے ہمراہ رہوں۔

ہوٹل میں مقیم مجھے معلوم ہواکہ درحقیقت پھرمیں نے اپنے آسمانی باپ کوچھوڑدیا ہے۔ بلاوجہ فکرمند ہونے کے سبب سے میں اس کی آرام وہ حضوری سے دورجاچکی تھی۔ میں نے اپنی سوچ وبچار سے توبہ کی اوراپنے آسمانی باپ کی رفاقت میں پھر سے مطمئن ہوگئی۔

میں نے اشکوں کے دوران کہا" اے باپ تیرا شکرہو"۔ برائے کرم اپنی حضوری سے دُورہوجانے کے سبب سے مجھے معاف فرما۔ تویہاں موجود ہے۔ تواس ہال میں موجود ہے اورمیں محفوظ ہوں۔

چند منٹ کے بعدہوٹل کی لابی میں ،میں نے اپنے جاننے والے کی جانی پہچانی آوازسنی۔ یہ ڈاکٹراسٹنیلے تھے۔

میڈم شیخ ! اپنی گواہی دینے کے لئے تیارہیں؟ میں نے اُنہیں تسلی دی کہ خداوند میرے ہمراہ ہے۔ کچھ دیر میری طرف غورسے دیکھنے کے بعدیوں لگتا تھا کہ یکایک وہ مطمئن ہوچکے ہیں۔ اور کہنے لگے بہت بہتر،کل صبح آپ کواپنی گواہی دینی ہوگی۔

ڈاکٹر اسٹنیلے نے مجھے اچھی طرح جان لیا تھا۔ اگلی صبح خداوند کی مدد سے میں ہزاروں لوگوں کے روبروگواہی دینے کے لئے کھڑی تھی۔ گواہی دینے میں ،میں نے خداوند کودیری کومحسوس کیا۔یہ سچ تھا ک بولنے والی میں نہیں تھی،

بلکہ خداوند تھا۔ میری گواہی سے لوگ بہت متاثر ہوئے اوربہت سے لوگوں سے میری واقفیت ہوئی جن میں ڈاکٹر کرسٹی بھی تھے۔ جنہوں نے میری آئندہ زندگی میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ حلیم وفروتن شخص کا بل میں بیرونی ممالک کے لوگوں کا پاسبان تھا۔ اس کے کام سے متعلق گفتگو میں ہم نے خداوند کی روح کی تحریک محسوس کی۔

کانفرنس ختم ہونے پر میں نے واہ کی طرف اپنے گھر کی راہ لی۔ میں نے محسوس کیاکہ یہ دورہ خدا کی مرضی کے مطابق تھا۔ میں نے اپنے آئندہ مشن کے لئے بہت کچھ سیکھا تھا۔ کبھی کبھارا پنے آباؤ اجداد کے گھر کوچھوڑکر ایسے دوروں پر جانے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مجھے اس بات کا علم نہیں تھاکہ بدلتے حالات کارُخ مختلف تھا۔

بارھواں باب

بونے کا وقت

جدائی کا دوسرا قدم اس بُری خبر کی صورت میں آیا کہ مسٹر مچل بھی اپنے ملک چھٹی پرجارہے ہیں۔ اورکچھ عرصے کے بعد وہ پھر پاکستان آئیں گے۔

سنگاپورسے آن کے ایک سال بعد کی بات ہے کہ میں اپنے علاقہ کے کچھ مسیحی بہن بھائیوں کے ساتھ مسٹر مچل کے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔ یہ ملاقات مسٹر اورمسزمچل کے رخصتی سے پہلے آخری ملاقات تھی۔

مجھے اس گھر میں پہلی آمد یادآئی جب میں ایک متلاشی کی حیثیت سے آئی تھی۔ یہ دونوں مجھے مسیح کے پاس لائے تھے اورمیرے لئے دعائیں کرتے رہے تھے صحن میں کھڑے میں نے کہا" کیاآپ کو پتہ ہے کہ میں بُری طرح آپ کی جدائی محسوس کروں گی"۔ اورپتہ نہیں پھرکب آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہو۔

مسز مچل کہنے لگی"ہوسکتا ہے خداوند آپ کو اس کے بغیر رہنا سکھارہا ہے۔ بلقیس جب تک ہم فقط اُس کے

بازو پر ہی تکیہ کرنا نہ سیکھیں۔ وہ ہمیشہ سکھاتا رہا ہے ۔ باوجود اس کے میں ان کی جدائی پسند نہیں کرتی تھی اورمیں نے مسز مچل کویہی بتایا۔ وہ صرف ہنس دی اور کہنے لگی کہ کس کا جی چاہتا ہے کہ ماں کی گود کوچھوڑے ۔ مگراس کے آگے مہم شروع ہونی ہے۔ آخری ان کی رخصتی کا لمحہ آپہنچا اوربڑے تپاک سے گلے ملنے کے بعد وہ چل دئیے۔ میں تنہائی محسوس کررہی تھی۔

اتوار کی شام کی عبادت جاری رہی۔ مگران کی کمی شدت سے محسوس ہوتی رہی۔ عبادتوں میں وہ جوش وخروش نہیں تھا۔

پھرایک شام میٹنگ کے بعد میرے ذہن میں ایک خیال آیاکہ بالکل مسٹر اولڈ اورمچل کی ڈگری پرچلنے سے ہم غلطی پر تونہیں ہیں؟ اگرہمارے اندرزندگی کی کوئی نئی چنگاری نہ پیدا ہوئی توہمارا چھوٹا گروپ ختم ہوجائے گا۔ اس خیال سے کہ کیا ہوگا۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ اچھا ہے کہ عام لوگوں کوبھی عبادتوں میں آنے کی دعوت دی جائے۔ میں نے اس طرزکی عبادت اپنے گھرکرنے کا خیال ظاہرکیا، جسے قبول کرلیا گیا۔ مختلف ذرائع سے ہم نے لوگوں کواطلاع کردی کہ اتوارکی شام کومیرے گھرمیں مسیحی اجتماع ہوا کرے گا۔

آنے والوں کی تعداد کودیکھ کرمیں حیران رہ گئی۔ بہت سے راولپنڈی سے آئے تھے جیسے مجھے اُمید تھی مسیحی اورغیرمسیحی ہرطرح کے لوگ آئے۔ ہمارے ابتدائی گروپ میں سے لوگوں نے جہاں تک ہوسکی ان کی خدمت کی۔

جلد ہی رفاقت میں تازگی کا احساس نمودارہوا۔ ذمہ داری بہت بڑی تھی۔ میں اوردیگرحضرات جواس گروپ میں رہنماؤں کی حیثیت رکھتے تھے۔دلجوئی سے خدا کے کلام اوردعا میں لگے رہتے۔ تاکہ کسی طرح سے ہم ان لوگوں کی غلط رہنمائی نہ کردیں۔ اچانک وہ وقفہ جس میں،میں نے کوئی نتیجہ نہ دیکھا تھا گزرگیا۔ میں لوگوں کوحقیقت میں مسیح پر ایمان لاتے دیکھنے کا تجربہ کرنے لگی۔خداوند کوقبول کرنے والی سب سے پہلی ایک بیوہ تھی۔ اس نے رورو کر خداوند کے سامنے اپنے بوجھ کورکھا اورپھرخداوند کواپنے دل میں آنے کی دعوت دی۔ اس کی زندگی میں آنے والی تبدیلی غیرمعمول تھی۔ وہ غیرمحفوظ اورافسردہ بیوہ سے خدا کی پُراُمید بندی

اورنئی مخلوق بن گئی۔ تھوڑے عرصہ بعدایک موٹر مکینک نے خداوند کو اپنی زندگی دی۔ پھرایک کلرک نے اوراس کے بعدایک خاکروب نے مسیح کو قبول کیا۔

یہ سب میرے گھر ہوا۔ حقیقت میں اس کو اپنی عزت سمجھتی تھی۔ اگرچہ مجھے ڈر تھا کہ کسی وقت بھی خاندان کی طرف سے اس کا ردعمل ہوگا۔ مگرابھی تک کسی نے شکایت نہ کی تھی۔ یوں لگتا تھاکہ جوکچھ ہورہا تھا خاندان اُسے تسلیم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایک روزایک اینٹ سے میرا پاؤں پھسل گیا اورمعمولی سی موچ آگئی۔ میرے خاندان میں سے کوئی نہ آیا۔اُنہوں نے ٹیلیفون پر میری خیریت پوچھی۔ میں اس خوش تھی۔ میرے خاندان کی طرف سے میری مسیحی زندگی کی مخالفت میں کمی ہورہی تھی۔ کبھی کبھی اپنے باطن سے مجھے یہ آوازآتی کہ میں ابھی تک ایک ایسی شخص ہوں جوزمین، باغ اورجائیداد کواپنی شکست سمجھتی تھی۔

میرے گھر کے صحن میں سے ایک سڑک نوکروں کے کوارٹروں کی طرف جاتی تھی ۔سڑک کے دونوں طرف بیریوں کے درخت تھے۔ گرمی کے موسم میں میری شخصیت میں تبدیل کوبھانپ کربچے خود بخود درختوں سے پھل توڑنے آنے لگے۔ پہلے تویہ مداخلت ہی مجھے کافی بُری لگتی تھی۔ مگرجب بچوں کا شورمیرے آرام میں نحل ہونے لگا تومیں نے مالی کوحکم دیا کہ بچوں کوبھگادو۔ اسی روزمیں نے مالی کویہ بھی حکم دیاکہ درخت کاٹ دو۔ تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری ۔ درختوں کی بربادی کے ساتھ ہی مجھے پتہ چلاکہ میں نے کیا کیا ہے۔ درختوں کے جانے کے ساتھ ہی خداوند کا اطمینان اوراس کی حضوری بھی جاتی رہی۔

کافی دیرتک کھڑکی میں کھڑی میں اس خالی جگہ کو تکتی رہی۔ جہاں بیرکے درخت تھے۔ مجھے کس قدرچاہت تھی کہ کاش درخت ابھی تک وہاں ہوتے اورمیں بچوں کے شورکوبرداشت کرسکتی۔ میں نے پہچانا کہ پُرانی بلقیس شیخ کیسی ہے۔

ایک بارپھر مجھے معلوم ہوگیاکہ اپنی ذات میں خود بخود تبدیل نہیں ہوسکتی۔ یہ صرف خداوند کے وسیلہ سے اوراُس کے فضل سے ہی ممکن ہے کہ مجھ میں تبدیلی وقوع پذیرہو۔

میں نے دعا کی کہ اے خداوند برائے کرم مجھے پھراپنی بارگاہ میں آنے دے۔ فقط ایک کام باقی تھا۔ پھل سے لدی ہوئی شاخیں میرے باغیچے میں جا بجا بکھری پڑی تھیں۔ دوسرے روز میں نے گاؤں کے بچوں کوآکر پھل سے لطف اندوز ہونے کی کھلی چھٹی دے دی اوروہ خوشی سے آئے۔ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ اُنہوں نے محتاط رہنے کی کوشش کی توبھی پھول روندے گئے اورشاخیں ٹوٹیں۔

ایک بعد ازدوپہر بچوں کے جانے کے بعد جب میں نقصان کاجائزہ لے رہی تھی تومیں نے کہا" خداوند میں سمجھتی ہوں کہ توکیا کررہا ہے۔ شائد میں باغیچہ کوتوجہ سے زیادہ عزیز رکھتی ہوں۔ یہ تیرا باغیچہ ہے۔ میں بڑی مسرت سے اسے دیتی ہوں۔ میرا تیرا شکرکرتی ہوں کہ تونے مجھے اپنی آرام دہ ذات کی طرف لانے کے لئے اسے استعمال کیا ہے۔

میری خداوند سے پھررفاقت بحال ہوگئی۔ مگرمجھے کانٹ چھانٹ کی ضرورت تھی۔ نومبر کی ایک خنک بعد ازدوپہر میں آرام کررہی تھی کہ محمود کمرے میں آدھمکا۔ اب وہ بڑا ہورہا تھا۔ اس کے چہرے مہرے سے صاف تھاکہ وہ ایک خوبصورت نواجوان بنے گا۔ وہ مجھے بتانے آیا تھا کہ باہر ایک عورت میری ملاقات کی مشتاق ہے۔ اس کی گود میں ایک بچہ ہے۔

اپنا سر اٹھاتے ہوئے اورریشم اورنورجہاں کودی ہوئی ہدایت کوفراموش کرتے ہوئے میں نے کہا" محمود" اب تم آٹھ برس کے ہو۔ آپ کو معلوم نہیں کہ دن کے اس حصہ میں ،میں کسی سے نہیں ملنا چاہتی۔ محمود کمرے سے باہر گیا ہی تھا کہ مجھے خیال گذرا کہ ایسے وقت میں خداوند کیا کرتا بلاشبہ وہ فوراًاس عورت کے پاس جاتا اوراس کی مدد کرتا میں نے محمود کوآوازدی جوابھی قریب ہی تھا۔ وہ دروازہ میں آکھڑا ہوا۔ میں نے کہا محمود وہ عورت کیا چاہتی ہے؟ محمود کہنے لگا میرا خیال ہے کہ اس کا بچہ بیمار ہے۔ اوروہ ساتھ ہی کمرے میں آگیا۔ میں اس کی آنکھوں میں اُس لگاؤ کودیکھ سکتی تھی جواُسے اُس عورت اوربچے سے تھا۔ میں نے ہدایت کی کہ ٹھیک ہے اسے مہمان خانہ میں بٹھاؤ میں آرہی ہوں۔ چند لمحوں میں محمود نے اُنہیں مہمان خانہ میں

بٹھادیا۔ وہ عورت ٹھپے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ دُور سے بچے کی دادی اماں لگتی تھی۔ اُس کی حالت قابل رحم تھی۔ جب اُس نے اپنا چہرہ اٹھاکر مجھے دیکھا تواس وقت مجھے پتہ چلا کہ وہ ایک جواں سال لڑکی ہے۔ پگھلے ہوئے دل سے میں نےپوچھا کہ میں آپ کے لئے کیا کرسکتی ہوں؟

میں نے آپ کے بارے میں اپنے گاؤں میں سنا اورمیں پیدل چل کر یہاں آگئی ہوں جس جگہ سے وہ آئی تھی وہ کوئی بارہ میل کے فاصلہ پر تھی۔ اسی لئے بیچاری تھکی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ میں نے نوکر کوچائے اورکھانے کے لئے کچھ لانے کو کہا۔ بچہ اگرچہ تین برس کا تھا توبھی ماں کا دودھ پیتا تھا۔ بچے کی حالت پرترس آتا تھا۔ میں نے دعا کرنے کے لئے بچے کی پیشانی پرہاتھ رکھا جوگرم اورخشک تھی۔

جونہی میں نے بچے کی ماں کے سرپرُدعا کرنے کے لئے ہاتھ رکھا تومیں تصورات میں اپنے خاندان کی پشتوں کواپنی اس حرکت پرکنکھیوں سے دیکھتے محسوس کیا۔ اپنی پرانی زندگی میں اس عورت کے سائے سے دوررہتی ۔ میرا دل اس دکھی ماں اوراس کے بچے کے لئے بھرآیا۔ اورمیں نے خدا سے یسوع کے نام میں اُن کی شفاء کے لئے دعا کی۔جب خادمہ آئی تو میں نے اُسے اس کے لئے وٹا منز لانے کو کہا۔ ہماری ملاقات گھنٹہ بھر جاری رہی۔ اس ماں نے مجھے اپنے خاندانی زندگی کے بارے میں بتایا کہ کس طرح ایک حادثہ میں اُس کا خاوند اپاہج ہوگیا۔ اوراس نومود بچے کے لئے کافی خوراک نہیں تھی اوراسی لئے ابھی تک وہ بچے کواپنا دودھ دے رہی تھی۔ کیونکہ یہ سستا طریقہ تھا۔ جب وہ جانے کے لئے اٹھی تومیں نے اُسے اشارہ سے روکا۔ میں نے کہا میں اس بات کا بندوبست کرنا چاہتی ہوں کہ آپ کی اوراس بچے کی ٹھیک طورپر دیکھ بھال ہوان الفاظ کے ساتھ ہی پُرانی بلقیس بے قرارہوگئی۔

اگریہ خبر سارے واہ میں پھیل گئی کہ بلقیس کس قدر نرم دل ہے توکیا ہوگا؟ کیا ضرورت مندوں، بیماروں اوردکھیوں کی بھیڑنہیں لگ جائے گی؟

اگرچہ میرے اندر سے یہ باتیں اُبھررہی تھیں توبھی میں مانتی تھی کہ مدد کئے بغیر کوئی اورچارہ نہیں ہے۔ اس سے کچھ

بھی مفہوم کیوں نہ ہو۔جب میں نے ایک بار اپنے آپ کو اوراپنی جائیداد کودے ہی دیا ہے توبس۔

میں نے کہاآپ کے خاندان کوتوجہ درکار ہے۔ آپ سب کوہسپتال لے چلتے ہیں۔ اورآپ کے کھانے کا بھی انتظام ہونا چاہیے۔ اگرآپ کے خاوند کوپھرکبھی کام نہ ملے تومجھے اطلاع دینا۔ اسکے بعد ملاقات نہ ہوسکی۔ میں نے ہسپتال میں بل کی ادائیگی کا بندوبست کردیا۔ اورانتظارکرتی رہی کہ وہ عورت پھرآئے۔مگروہ عورت پھرنہ لوٹی۔ میں قدر پریشان تھی۔ جب میں نے اس سے متعلق نوکروں سے دریافت کیا تو حسب معمول وہ جانتے تھے۔ وہ عورت اُس کا بچہ اورخاوند ہسپتال گئے تھے اوراب وہ بہتر تھے۔ خاوند کوکام مل گیا تھا۔ پہلے تومیری خودی نے سراٹھایا اورمیں نے سوچا کہ کس قدر ناشکر عورت ہے۔ مگرخداوند نے مجھے اُس عمل سے روکا۔کیا اس لئے تونے اُس کی مدد کی تھی؟ اس لئے کہ وہ تیری شکرگزاری کرسکے۔

بلاشبہ میں غلطی پر تھی اس عورت کودیکھ بھال خداوند نے کی تھی نہ کہ میں نے۔ پھرمیں خداوند سے معافی چاہی اوردرخواست کی کہ وہ مجھے پھرکبھی اس طرح سے جال میں نہ پھنسنے دے۔ میں نے آہ بھرتے ہوئے کہا" اے خداوند کتنی بارتونے مجھے گرتے ہوئے سنبھالا ہے"۔

ان دنوں یوں لگتا تھاکہ خداوند کے قریب رہنے کے سعی میں ،میں کس قدر ناکام ہوں۔ مجھے خیال گزرا کہ کیا مسیحی زندگی کا یہی چلن ہے۔ چونکہ ان سوالوں کا جواب دینے والا میرے قریب کوئی نہیں تھا میں نے ان سوالوں کواپنے سینہ میں چھپائے رکھا۔

ایک صبح جب نورجہاں میرے نہانے دھونے کا بندوبست کررہی تھی تومیں نے ایک سرُخ پرندے کودیکھتے ہوئے جوہماری کھڑکی پرآبیٹھا کہہ دیا کہ دیکھو خداوند نے آج صبح کیا بھیجا ہے۔ نورجہاں میرے بالوں میں کنگھی کررہی تھی خاموشی طاری تھی جس سے میں قدرحیران تھی،کیونکہ عام طورپر نورجہاں بہت باتونی تھی۔ پھرشرماتے ہوئے وہ بولی بیگم صاحبہ ! کیاآپ کوپتہ ہے کہ جب آپ خداوند کے بارے میں بات کرنا شروع کرتی ہیں، توآپ کے چہرے پر تبدیلی آجاتی ہے؟

اس بعد ازدوپہر میں نے اسلام آباد میں مشن شاپ پر اورکئی بائبلوں کا آرڈردیا۔ یہ خاص قسم کی بائبلیں تھیں جوبچوں کے لئے تیار کی گئی تھی۔ میں نے محمود سے اس بائبل کے مفاد کودریافت کیا تھا۔میں نے یہ بھی دیکھا تھاکہ اس تصویروں میں بیان کی ہوئی کتاب کوکبھی کبھی نوکر بھی شوق سے اٹھا کردیکھتے تھے۔ جب بائبلیں آگئیں تومیں نے ایک نورجہاں کوبھی دے دی۔ مجھے کس قدرخوشی ہوئی جب وہ ایک ساتھ کہنے لگی۔ بیگم صاحبہ !مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔ کیا آپ کویاد ہے کہ اکثرآپ نے ہمیں بتایا ہےکہ اگرہم اس یسوع کو جاننا چاہیں تو ہمیں اسے اپنے دل میں آنے کی دعوت دینی چاہیے؟ اس پر اُسکے آنسو بہنے لگے۔ بیگم صاحبہ میں نے ایسا ہی کیااوروہ میرے دل میں آیا۔ میں نے اپنی زندگی بھر ایسی محبت کوکبھی محسوس نہیں کیا۔مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا تھا۔ میں نے نورجہاں کواپنے بازؤں میں لے لیا۔ ہم تھوڑی دیرتک خوشی سے جھومتی رہیں۔

نورجہاں تونے کس قدرناقابل یقین خبرسنادی ہے۔ اب ہم تین مسیحی ہیں ، آپ ریشم اورمیں۔ ہمیں اس کی خوشی منانا چاہیے۔ پس ریشم نورجہاں اورمیں نے اکٹھے چائے پی۔مگراس سے پہلے مجھے تھوڑا سا دھچکاسالگا۔ جونہی ہم تینوں چائے پیتے وقت باتیں کررہی تھیں اورایک کھارہی تھیں توایک بارپھر میری خودی نے سراٹھایا۔میرا خاندان اورعزیز اس کا کیونکر چرچا کریں گے۔ وہ کس قدرحیران ہوں گے۔ میں نے اپنی پُرانی راہوں پرغورکیا۔جب میں سخت حکم صادر کرتی اورغصہ سے پاگل ہوجایا کرتی تھی۔ کرسی پر تھوڑی سی گردیا نوکروں کا باورچی خانہ میں تھوڑا اُونچی آوازمیں گفتگو کرنا میرے غصہ کوہوا دینے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ خداوند یقیناً مجھ پر کام کررہا تھا اورمیں بڑی تشفی کے ساتھ اس کی رفاقت کومحسوس کررہی تھی۔ یہ نہیں کہ میں کوئی مقدس ہستی بننا چاہتی تھی۔ مگرمیں یہ سیکھ رہی تھی کہ کس طرح میں اپنی زندگی سے اُس کی عزت کروں۔ اورکسی طورپر میرے رویہ سے اُس کے نام کی تحقیر نہ ہو۔میں یہ بھی سیکھ رہی تھی کہ مسیح کی گواہی دینے میں اعمال الفاظ سے بلند آواز بولتے ہیں۔

مگرپھر شام کی عبادتوں میں ایک عجیب بات میری توجہ کا مرکزبنی۔ نورجہاں ان درجن کے قریب دیہاتوں میں ہمارے ساتھ شامل نہیں ہورہی تھی۔ یہ کس قدرعجیب تھا۔ ایک روزجب وہ میرے بالوں میں کنگھی کرچکی تومیں نے اُسے تھوڑی دیر رکنے کو کہا میں نے پوچھا کہ اس اتوارکیا تم ہمارے ساتھ شامل ہونا پسند کروگی؟ نورجہاں چونک سی گئی اوراُس کا چہرہ زرد ہوگیا۔ بس میں یہ نہیں بتاسکتی کہ میرے ساتھ کیا ہوا اورمیں میٹنگ میں بھی نہیں جاسکتی۔ میرا خاوند بہت پکا مسلمان ہے ہمارے چاربچے ہیں اگرمیں کہوں کہ میں مسیحی ہوگئی ہوں تووہ مجھے گھرسے نکال دے گا۔میں نے زوردیتے ہوئے کہا مگرآپ کو اپنے ایمان کا اقرار کرنا ہے یہ لازمی ہے۔

نورجہاں نے افسردہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھردبی زبان میں کچھ کہتی ہوئی جسے میں سمجھ نہ سکی کمرے سے باہرنکل گئی۔ شائد وہ یہ کہہ رہی تھی کہ یہ نہیں ہوسکتا۔

چند روزبعد میں بزرگ مدررُوت کوملنے گئی جس سے ہولی فیملی میں میری ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے اس گفتگو میں ہمیشہ خوشی ہوتی تھی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ پاکستان میں کتنے ہی چھپے مسیحی ہیں۔ چھپے مسیحی ! میں نے کہا کہ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔ اگرآپ مسیحی ہیں توآپ اس کا ذکرکیوں نہیں کریں گے! مدررُوت کہنے لگی" ذرا نیکدیمس کردیکھو"۔

"نیکڈیمس"

" یوحنا کی انجیل کے تیسرے باب کودیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ چھپاہوا مسیحی تھا۔ پھرمیں نے اپنی بائبل کھولی اورپڑھنے لگی کہ کیونکریہ فریسی رات کے وقت یسوع کے پاس اُس کی بادشاہت کے بارے میں مزید جاننے کے لئے آیا۔ میں نے اکثریہ دلچسپ باب پڑھا تھا مگراُس وقت تک مجھے پتہ نہیں چلا تھا کہ نیکدیمس ایک چھپا مسیحی تھا۔ وہ کہنے لگی کہ شائد بعد میں نیکدیمس نے اپنے ایمان کو بیان کیاہو۔ مگر جہاں تک کلام ہماری رہنمائی کرتا ہے وہ اس بات میں محتاط تھاکہ اس کے فریسی ساتھی نہ جان سکیں۔

اگلے روز میں نے نورجہاں کواپنے کمرے میں بلایا اورنیکدیمس کےبارے میں آیات اس کے سامنے پڑھیں۔ میں نے کہا"۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو بے چین کیا"۔ وقت آنے پرخداوند آپ کوبتاسکتا ہے کہ آپ کیونکر اپنے ایمان کا اظہارکریں دریں اثنا محض اس کی آوازکواحتیاط سے سننی ہو۔ اس کا چہرہ دمک گیا۔ بعد میں ،میں نے اُسے خوشی سے اپنے کام کوانجام دیتے ہوئے دیکھا میں نے خداوند سے کہاکہ مجھے اُمید ہے کہ میں نے ٹھیک بات کی ہے میں کسی پرالزام نہیں لگاسکتی تھی۔

چند ہی روزبعد میں نے خودریافت کیاکہ دنیا کے اس حصے میں مسیحی ہوناکس قدردشوارہے۔

ایک بعد ازدوپہر فون کی گھنٹی بجی۔ یہ میرے ایک چچا تھے جوخاص طورپر میرے ساتھ سخت تھا۔ اگرچہ قطع تعلقی میں قدرے نرمی تھی توبھی اس چچا نے کبھی بات تک نہ کی تھی۔ فون پراُس کی آوازکرخت تھی۔ بلقیس!

"جی ہاں"

میرے سننے میں آیاہے کہ تم دوسروں کوگمراہ کررہی ہو۔ تم اُنہیں سچے ایمان سے دورلے جارہی ہو۔

"چچا جی یہ تواپنی رائے ہے"۔

میں تصورکرسکتی تھی کہ چچا کا منہ غصہ سے سرخ ہوگیاکیونکہ اُس کی آوازسے عیاں تھا۔ یہ ایک اوربات ہے کہ تم ایسے فیصلے کرتی پھرو مگریہ ایک الگ بات ہے۔ دوسرے تیرے پیروی کریں۔ بلقیس تمہیں یہ کام بندکرنا ہوگا"۔

چچا جی مجھے آپ کے فکرکی قدر ہے۔ مگرمیں آپ کویاددلاؤں کہ آپ اپنی زندگی کے ذمہ دار ہیں اورمیں اپنی زندگی کی۔

دوسرے ہی روز جب میرا نیا ڈرائیور مجھے ٹونی سے ملاقات کے بعد گھر کی طرف لارہا تھا۔ میرا ڈرائیورجانتا تھا کہ میں اکثرلوگوں کولفٹ دے دیتی ہوں۔ مگراس باروہ کارنہیں کھڑی کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے فیصلہ کن آوازمیں کہا۔ بیگم مہربانی سے مجھے کارکھڑی کرنے کو نہ کہنا۔ وہ اس آدمی کو بچاتا ہوا جلدی سے کارآگے نکال کرلے گیا۔ کارکے ٹائر سڑک کے آخری کنارے پرلگے۔ سیٹ سے آگے جھکتے ہوئے میں

ے کا اس سے آپ کی کیا مراد ہے۔ آپ کا یہ خیال تونہیں کہ وہ آدمی مشتبہ تھا؟ جی ہاں بیگم صاحبہ!

وہ خاموش رہا اورمیرے سوالوں کے باوجود اُس نے کوئی اوربات نہ بتائی۔ مگرایک ہی ہفتہ کے بعد میرے بعد ازدوپہر آرام کے لئے کمرہ میں آنے کے چند منٹ بعد ایک ملازمہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کردیا۔

اس نے دبی آوازمیں کہا کہ مجھے اُمید ہے آپ بُرا نہیں منائیں گی۔ مگرمیں آپ کوخبردارکرنا ضروری سمجھتی ہوں۔ کل میرا بھائی راولپنڈی میں ایک مسجد میں تھا۔ نوجوانوں کا ایک گروپ اُس نقصان کا تذکرہ کررہا تھا جوآپ کی وجہ سے ہورہا ہے۔ وہ کچھ اقدام کرنے کی بات کررہے تھے۔اس لڑکی کی آوازکانپ رہی تھی۔ کہنے لگی بیگم صاحبہ! ہمیں آپ کی فکر ہے۔ ہمیں آپ کا اورلڑکے کا ڈر ہے۔ میرا دل دہل گیا اب میری فکرکرنے کی باری تھی کہ اس ملک میں چھپ کرمسیحی رہنا چاہئیے یا نہیں۔ خاص طورپر اس خاندان میں جس کی میں فرد تھی۔

تیراھواں باب

دھمکیوں کا طوفان

میرے خلاف دھمکیوں کی رپورٹ کودوماہ گزرگئے تھے۔ کوئی قابلِ ذکر حادثہ نہ ہوا۔ اورمجھے گمان ہونے لگاکہ خطراب کی رپورٹ بے بنیاد تھی۔ مجھے مسیح کوقبول کئے چند برس ہوچلے تھے۔ کرسمس کاتہوارقریب تھا۔

خاندان میں سے کچھ لوگ میری ملاقات کوآئے تھے مگرچچا کی طرف سے دھمکی آمیز فون مجھے یاددلارہا تھا کہ خاندان میں تلخی ابھی باقی ہے۔ کیوں نہ خاندان کے لوگوں اورعزیزوں کی ایک ضیافت ہوجائے۔ تاکہ پتہ چل سکے کہ کہاں تک قطع تعلقی کی خلیج کوپاٹا جاسکتا ہے۔

میں نےمہمانوں کی لسٹ تیارکی۔ میں نے حفاظت سے لسٹ اپنی بائبل میں رکھ لی اورفیصلہ کیاکہ اگلی صبح دعوت نامے بھیج دوں گی۔ کیونکہ جب اگلی صبح میں نے لسٹ نکالنے کے لئے بائبل کھولی تویہ حوالہ میری نظروں کے سامنے تھا۔ لکھنا تھا:

"جب تودن کا یارات کا کھانا تیارکرے تواپنے دوستوں یا بھائیوں ،رشتہ داروں یادولت مندپڑوسیوں کونہ بُلا۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی تجھے بلائیں اورتیرا بدلہ ہوجائے۔ بلکہ جب توضیافت کرتے توغریبوں،لنجوں، لنگڑوں اوراندھوں کوبُلا۔ اورتجھ پربرکت ہوگی۔کیونکہ ان کے پاس تجھے بدلہ دینے کوکچھ نہیں اورتجھے راستبازوں کی ضیافت میں بدلہ ملے گا۔(لوقا ۱۴: ۱۲تا ۱۴)۔

ایک ہاتھ میں بائبل اوردوسرے میں مہمانوں کی لسٹ تھامے ہوئے میں خیال کرنے لگی اے خداوند کیا میرے لئے یہ تیرا کلام ہے۔ یہ بات صاف تھی کہ میرے رشتہ داروں اورعزیزوں میں زیادہ تعداد اُمراء کی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو یہ کہہ کرتسلی دی تھی کہ یہ مسلمانوں اورمسیحیوں کا اجتماع کرنے کا اچھا موقع ہوگا۔ مگرحقیقت میں یہ میرا غرورتھا۔ میں اپنے خاندان کے سامنے اس بات کا مظاہرہ کرنا چاہتی تھی کہ ابھی تک امیرطبقہ میں میرے دوست ہیں۔

میں نے لسٹ کوپھاڑدیا۔ بائبل کے فرمان کے مطابق میں نے بیواؤں ،یتیموں، بےروزگاروں اورگاؤں کے غریب لوگوں کی لسٹ تیارکی اورپھران سب کوکرسمس کی ضیافت میں شرکت کی دعوت دی۔ اس میں ہرایک شامل تھا۔ حتیٰ کہ بھکاری بھی۔ کچھ دعوت نامے تومیں نے خود دئیے۔ اورکچھ نوکروں نے ،نوکروں سے پتہ چلا کہ سارا گاؤں آنے کی تیاری میں ہے۔ ایک لمحہ کےلئے دل میں غلط خیال آیا میں نے اپنا قیمتی غالیچہ کے بارے میں سوچا جومیں نے تھوڑی دیر ہوئی کمرے میں بچھوایا تھا۔ پھرمیں نے سوچاکہ اس وقت میں اسے راستے سے ہٹاسکتی ہوں۔

تیاریاں شروع ہوگئیں۔ آٹھ برس کا محمود بڑے انہماک کے ساتھ آنے والے حضرات کے لئے تحائف اکٹھے کرنے میں مدد کررہا تھا۔ بڑے سے لے کرچھوٹے تک ہم نے ہرایک کیلئے تحائف لینے شروع کردئیے۔

ایک روزدروازے پردستک ہوئی۔ واہ کی عورتوں کا ایک گروپ باہر کھڑا ہوا تھا۔ وہ مدد کرنا چاہتی تھیں۔ ان میں سے ایک کہنے لگی۔ ہم بے لوث خدمت کرنا چاہتی ہیں۔ ہم چاہتی ہیں کہ ضیافت کے انتظام میں آپ کا ہاتھ بٹائیں۔اچانک یہ سارام اہتمام سارے گاؤں کی برداری کا کام

دکھائی دینے لگا۔ میں نےایک کمہار کے خاندان کوپانچ سومٹی کے دیئے بنانے کا آرڈردیا۔ گاؤں کی عورتوں نے دئیوں کے لئے بتیاں تیارکیں۔ کام کرنے کے دوران قدرتی طورپر مسیح کے بارے میں بات کرنے کے مواقع بھی ملے۔ مثلاً جب ہم گھر میں دیئے سجارہے تھے تومیں نے پانچ ہوشیاراورپانچ سست کنواریوں کی کہانی چھیڑدی۔ کھانا ایک اوردلچسپ کام تھا۔کھانے میں بھی عورتوں نے مٹھائیاں اورلذیذ چیزیں تیار کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اورچاندی کے ورق لگاکر ہرکھانا احسن طورپر تیارکردیا گیا۔

۲۴دسمبر کوگاؤں کے لوگوں نے آنا شروع کردیا۔ اوریہ کوئی ایک ہفتہ بھر کی ضیافت بن گئی۔ قطاردرقطار دئیے اور لوگوں کی رونق کیا ہی بھلی لگتی تھی۔ محمود گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھا۔ ایک عجیب چمک تھی۔ جواِن گاؤں کے بچوں کی آنکھیں میں تھی۔ اورمحمود بہت خوش تھا۔ گھر کی رونق ایک میلہ سے کم نہ تھی۔ باربارمحمود نئی درخواستوں کے ساتھ میرے پاس آتاتھا۔ مثلاً ممی پانچ لڑکے باہر کھڑے ہیں۔کیا اُن کواندبلالیں۔ میں تھپکی دیتے ہوئے اُسے کہتی کہ بلاشبہ آپ اُنہیں بلالیں۔ یوں لگتا تھا کہ ہمارے گھر میں سارے واہ کے بچوں کی تعداد سے زیادہ بچے ہیں۔جب میں نے دیہایتوں سے بات کی یسوع نے دوسروں کے ساتھ ہمیں کیسا برتاؤ کرنے کو کہا ہے تووہ کہنے لگے کیا واقعی وہ اسی طرح لوگوں کے ساتھ چلتے پھرتے تھے۔ میں نے کہا" ہاں" اورآج جوہم دوسروں کے لئے کرتے ہیں ہم اُس کے لئے کرتے ہیں۔بلاآخر جب ضیافت اختتام پذیر ہوئی اورمیں نے کام سے فرصت پاکرآرام سے بیٹھنے کا وقت پایا ۔ توخدا کا اطمینان میرے باطن میں تھا۔ مجھے محسوس ہورہا تھا کہ یہ سب خداوند کی مرضی کے عین مطابق تھا۔

بہت سے غریب کبھی اس ضیافت کونہ بھولے۔ کوئی ایک ماہ بعد میں نے ایک نوکر سے گاؤں میں ایک جنازے کے بارے میں گاؤں کے مولوی کی بیوی نے اُونچی آوازمیں یہ شکایت کی کہ بیگم صاحبہ نے اسلام چھوڑنے میں بڑی غلطی کی ہے۔ کسی اورنے اُسے جواب دیاکہ کیا آپ کی بیگم صاحبہ سے ملاقات ہوئی ہے؟کیا آپ نے اِن کاموں میں سے کوئی کام کیا ہے جواُس نے کئے ہیں۔

مگر اس تجربے کا ایک اورپہلو بھی تھا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہوا کہ واہ میں ایسے لوگ موجود تھے جواِس ضیافت سے خوش نہ تھے۔ ایک بزرگ مالی جوہمارے باغ میں کام کرتا تھا ایک روزمجھے روکر کہنے لگا کہ کیاآپ مہربانی سے مجھے ایک منٹ بات کرنے دیں گی؟ میں نے کہا بلاشبہ آپ کوحق ہے۔

بیگم صاحبہ!گاؤں میں ایک بات کا چرچا ہے جسے آپ کو جاننا لازمی ہے۔ کوئی یہ بات کرتا ہے کہ بیگم کیونکر ایک مسئلہ بن گئی ہے اورگاؤں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ اُنہیں کوئی اقدام کرناچاہیے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کیا کیا اقدام وہ کریں گے۔ بیگم صاحبہ میں محسوس کرتاہوں کہ آپ کو اس کا علم ہونا چاہیے۔ آئندہ سال میں اس قسم کی دھمکیاں گاہے گاہے آتی رہیں۔غالباً یوں لگتا تھاکہ میراآسمانی باپ مجھے مشکل حالات کا سامناکرنے کے لئے تیارکررہا ہے۔

مثلاً ایک روزگاؤں سے تین چھوٹے لڑکے ہمارے گھر آئے ۔ بعد میں مجھے گمان گزراکہ ہوسکتاہے کہ ان بچوں کے ذریعے خداوند اپنا پیغام مجھے دے رہاہو۔ کیونکہ لڑکوں سے خبر سننے کے بعد محمود میرے پاس آیا۔ وہ کانپ رہا تھا اورخوف سے اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی تھیں۔ممی کیا معلوم ہے کہ میرے دوستوں نے کیا کہا؟ وہ کہہ رہے تھے کہ گاؤں میں لوگ آپ کے قتل کا منصوبہ بنارہے ہیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد وہ یہ کریں گے۔ سسکیوں کے دوران کہنے لگا کہ اگرآپ کوقتل کردیا تومیں بھی اپنے آپ کو ختم کردوں گا۔

اب مجھے کیا کرنا تھا۔ میں نے محمود کوسینہ سے لگالیا۔ اوراُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسے تسلی دینے لگی۔ میرے پیارے بچے میں آپ کو ایک کہانی سناتی ہوں۔ اورمیں نے یسوع کے ناصرت میں پہلے وعظ کی کہانی سنائی۔ میں نے بیان کیا کہ جب لوگ غصہ سے بھرگئے اوریسوع کوسنگسارکرنے لگے تو یسوع اُن کے بیچ میں سے گذرگیا، جب تک آسمانی باپ کی مرضی نہ ہوئی کوئی یسوع پر ہاتھ نہ اٹھاسکا۔ میرے اورآپ کے لئے بھی یہی ہے۔ ہم اُس میں محفوظ ہیں۔ کیا تمہاراُس پریقین ہے؟ کیاآپ کی مراد یہ ہے کہ ہمیں کوئی ضررنہ پہنچے گا۔

نہیں میری مراد یہ نہیں۔ یسوع کودکھ دیا گیا۔ مگراسی وقت جب اُس کا دکھ اٹھانے کا وقت آپہنچا۔ ہمیشہ خوف

میں زندگی بسر نہیں کی۔ کیونکہ جب تک ہمارا وقت نہیں آتا کچھ نہیں ہوسکتا۔ ہمیں بس صبر سے انتظار کرتے رہنا اوردیکھنا ہے ۔ مگردریں اثناء ہم بڑے اعتماد سے جی سکتے ہیں۔ کیا آپ میری بات سمجھے؟ محمود نے میری طرف نگاہ کی اوراُس کی بھوری آنکھوں میں تسلی تھی۔ اچانک وہ مسکرایا اورخوشی سے چلاتا ہوا اپنی کھیل کود میں لگ گیا۔ جس کا مطلب تھاکہ وہ سمجھ گیا ہے۔

میری تمنا تھی کہ میں کہہ سکوں کہ میرا یقین بھی اسی قدرمحکم ہے یہ نہیں کہ جوکچھ میں نے محمود سے کہا تھا اس پر میرا ایمان نہیں تھا۔ بات صرف یہ تھی کہ میرا ایمان ابھی تک بچوں کا سا نہیں تھا۔ میں اٹھی اوراپنی بائبل تھامے باغ کی طرف چل دی۔ میرا دل بوجھل تھا۔ وہ میری اپنی ہی دھرتی سے کس طرح دورکرنے کی جرات کرسکتے ہیں۔

موسم خشک تھا۔ میں اپنی چھوٹی سی ندی میں مچھلیوں کے اچھلنے کی آوازسن سکتی تھی۔ دُورسے کوئل کے کوکنے کی آوازآرہی تھی۔ گرمی کے موسم کی بچی کھچی بہاراپنا رنگ دکھارہی تھی۔ یہ دھرتی میرے اورمیرے لوگوں کی تھی۔ سات سوبرس تک میرے خاندان نے احسن اندازمیں اس کی خدمت کی تھی۔یہ میرا گھر ہے اوراسے نہیں چھوڑسکتی اورنہیں چھوڑوں گی۔

توبھی ایسے حادثات وقوع پزیر ہورہے تھے۔ جومیرے بس سے باہر تھے۔ اورمیرے اپنے گھرمیں ٹھہرنے کے مصمم ارادہ کے خلاف تھے۔

دسمبر ۱۹۷۰ء میں میری تبدیلی کے چارسال بعد پاکستان میں پہلا انتخاب ہوا۔ یوں لگتا تھاکہ عوامی حکومت جیت جائے گی اوریہ میرے لئے اچھی خبرنہیں ہوگی۔ کیونکہ میرے عزیزوں میں سے کوئی اس جماعت کا رُکن نہیں تھا۔ اس نئی جماعت کا نعرہ تھا اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری پالیسی ہے اورسوشلزم ہماری معیشت ہے۔ یہ نعرہ ایک عام آدمی کی ہمدردیا جتینے کیلئے تیارکیا گیا تھا۔ میں جانتی تھی کہ ایک عام پاکستانی قوت کے احساس کو محسوس کرتا تھا۔ کیا یہ میرے لئے بھلا تھا؟ شائد یہ نئی بلقیس کے لئے بھلا تھا۔ مگراس میں ایک موروثی خطرہ بھی تھا۔ کیونکہ ایک سرپھرے کویہ پتہ چل جائے کہ اس کے پیچھے حکومت کا

ہاتھ ہے تووہ ہرغلط کام کرگزرے گا۔میں جمہوریت پسند نہیں رہی تھی سوشلزم ہماری پُرانی خاندانی روایات کا منافی تھا۔ اوررہی بات اسلام ہمارا دین ہونے کی تواس لحاظ میں گویا ایک غدارتھی۔

زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ میں نے بڑھتی ہوئی مخالفت کو بھانپ لیا۔ واہ کی گلیوں میں گھومتے ہوئے میں نے اسے آدمیوں کی نگاہوں کودیکھا۔ میں اُس معمولی ٹیکس آفیسر کے رویہ میں تبدیلی کوہرگزنہیں بھول سکوں گی۔ ماضی میں جوخادم کی طرح گفتگو کرتا تھا اب بے رخی دکھارہا تھا۔ میں اپنی جائیداد سے متعلق اُس سے گفتگو کررہی تھی۔ دلخراش الفاظ اورنفرت کے انداز میں فارم میرے سامنے رکھنے سے اُس کی دشمنی کا پتہ چلتا تھا۔

بعد میں جب میں اپنے گھر کے باہر چہل قدمی کررہی تھی تومیں نے ایک ایسے آدمی پرنگاہ کی جواپنی راہ سے پھر کر مجھ سے بات کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ اب اُس کا رویہ مختلف تھا۔ مجھے دیکھ کر جلدی سے اپنا چہرہ پھیر لیا۔اوردوسری طرف تکنے لگا۔ اپنے باطن میں ہی مجھے ہنسی آئی۔ میں نے کہا خداوند کیا ہم سب بچوں کی سی حرکتیں نہیں کرتے؟

یہ دلچسپ بات تھی کہ نئی حکومت کا کوئی اثر میری جائیداد پر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ریشم اورنورجہاں کے علاوہ جویسوع کوپیارکرتی تھی میرے تمام ملازمین مسلمان تھے توبھی ہمارے درمیان بڑی حقیقی الفت تھی۔ کئی بارمیرے مسلمان ملازمین خاموشی سے میری خوابگاہ میں آکر کہتے تھے کہ بیگم صاحبہ!آپ کو گھرچھوڑکر کہیں اورجانا ہے توآپ ہماری فکر نہ کریں ۔ ہمیں اورکام مل جائے گا۔ چاربرس پیشترمیرے ملازمین سے میرا رشتہ کس قدرت مختلف تھا۔

سپنے میرے مسیحی تجربہ کا ہمیشہ ایک حصہ رہے تھے۔ خواب میں ہی پہلی باریسوع سے ملاقات ہوئی تھی۔ اب یہ عجیب روحانی تجربات جن کا پولوس رسول ذکرکرتا ہے مزید محرک ہوگئے۔

ایک شب کیا دیکھتی ہوں کہ میں روح میں اٹھائی گئی۔ اورمیں بڑی تیز رفتاری میں سمندرپاکررہی ہوں۔ میں ایسی جگہ آگئی ہوں جوامریکہ میں نئے انگلینڈ کی طرح لگتی تھی۔

میں ایک گھر کے سامنے آگئی جس میں دوبستر لگے تھے۔ ایک بستر پر ایک بزرگ عورت پڑی تھی۔ جس کا گول سا چہرہ تھا۔ نیکی آنکھیں اوربھورے بال تھے اُس پرایک سفید چادرتھی۔ عورت بیمار تھی۔ یوں لگتا تھا کہ اُسے کینسر ہے۔ایک نرس کرسی پر بیٹھی کچھ پڑھ رہی ہے۔ پھرمیں نے اپنے خداوند کوکمرے کے ایک کونے میں دیکھا میں اُس کے سامنے دوازنوں ہوکر کہنے لگی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔

وہ فرمانے لگے کہ اُس خاتون کے لئے دعا کرو۔ پس میں اُس عورت کے پاس گئی اوربڑے جوش سے اُس کے لئے دعا کرنے لگی۔ صبح کے وقت میں اپنے بستر پر بیٹھی اِس خیال میں کھوئی ہوئی تھی کہ سمندرپارسے کیا مراد ہے؟ یسوع نے مجھے اُس عورت کے لئے دعا کرنے کوکیوں کہا؟ اس زبردست مکاشفہ کی جھلک میرے سامنے آنی شروع ہوئی۔ ہمارے خداوند میں ہماری دعاؤں میں بڑی قوت ہے۔ وہ اُن کے ذریعے سے کام کرتا ہے۔ میں یعقوب کے پانچویں باب کی طرف پھری۔ جودُعا ایمان کے ساتھ ہوگی اُس کے باعث بیماربچ جائے گا۔ اورخداوند اُسے اٹھاکر کھڑا کرے گا۔ اوراگراس نے گناہ کئے ہوں تواُن کی بھی معافی ہوجائے گی۔ راستباز کی دعا کے اثر سے بہت کچھ ہوسکتا ہے۔

اسی طرح ہماری دعائیں جس کے لئے ہم دعا کرتے ہیں۔ اُس میں خداوند کی قوت کوجاری کردیتی ہیں۔

ایک اوروقت میں نے رویادیکھی جس میں ایک بحری جہازپرسوارہورہی ہوں جس کمرے میں کھڑی تھی اُس میں یسوع کھڑا تھا۔ یوں لگتا تھاکہ وہ مجھے ہدایات دے رہا تھا۔ پھر میں کمرے سے باہر آگئی۔ راستہ کے آخر میں ایک مغربی خاتون کو دیکھا۔ وہ میری منتظر کھڑی تھی۔ وہ میرے پاس آئی اورمیرے بازومیں بازوڈال کرکسی طرف لے جانے لگی۔

میں نے منزل کے بارے میں استفسارکیا۔ مگرخداوند نے مجھے نہ بتایا۔ خواب سے مجھے یوں لگتا تھاکہ میں ایک اور دورہ پر جارہی ہوں۔ مگر اس دفعہ ایک نامعلوم منزل کی طرف جاؤں گی۔ مگریسوع کی نگاہ سفرپر ہوگی۔ اِن خوابوں سے میں ذہنی طورپر تیارہوگئی۔ اس لئے میں کسی خبر سے ہراساں نہ ہوئی۔

مارچ ۱۹۷۱ء میں بھٹو کی حکومت کے چند ماہ بعد یعقوب جو پُرانی حکومت سے میرا واقف تھا،ملاقات کوآیا۔ سالہسال سے وہ ہمارے خاندان کے قریب رہا تھا حقیقت میں جب میرا خاوند وزیر تھا توایک وقت ایسا آیا جب پاکستان کی مالی حالت گرگئی اورتجارت کا توازن بگڑ گیا۔ یعقوب اورمیں نے مل کر اپنی مدد آپ کے نظریہ پر ایک پروگرام ترتیب دیا تھا۔ ہم نے سادہ زندگی بسرکرنے کا ایک منصوبہ تیارکیا۔ بنیادی تصوریہ تھا کہ پاکستانی صنعت کواپنی اشیاء تیارکرنے کے لئے اُبھارا جائے اوردرآمدات میں کمی کی جائے۔

ملک میں اِدھراُدھر گھوم کوہم نے چھوٹی صنعتوں اور فیکٹریوں کواس پر عمل درآمد کرنے میں حوصلہ افزائی کی۔ تمام لوگوں کی ہم نے اس بات پر حوصلہ افزائی کی کہ وہ سوتی کپڑے کی کھڈیاں لگائیں۔اورخود کپڑے تیارکریں۔ خود ہم نے ملکی کپڑا پہن کراس خیال کی ترویج میں کرداراداکیا۔ ہمارا یہ سادہ زندگی بسرکرنے کا منصوبہ کافی حدتک کامیاب رہا۔ جونہی لوکل فیکٹریاں کام کرنے لگیں پاکستان کی مالی حالت ترقی کرنے لگی۔اس کے بعد یعقوب صاحب اکثرمیرے ساتھ سیاست اوردنیا کے معاملات پرتبادلہ خیال کرنے کے لئے آجاتے۔ وہ ہمارے خاندان کے بارے میں کافی کچھ جانتے تھے۔ پاکستان میں جہاں جہاں ہماری جائیداد تھی وہ وہاں گیا تھا۔ اوروہ جانتا تھا کہ ہماری مالی حالت ان جائیدادوں سے وابستہ ہے۔

وہ نرمی سے کہنے لگا۔ بلقیس !کچھ دوستوں کے ساتھ میں آپ کی مالی حالت کا تذکرہ کررہا تھا۔ کیاآپ نے اپنی زمین کا کچھ حصہ بیچنے کے بارے میں غورکیا ہے؟ مجھے یقین نہیں کہ آپ کی ساری زمین محفوظ ہے۔ جبکہ بھٹو اشتمالِ اراضی کا وعدہ کررہا ہے۔

یعقوب نے بہت عقل کی بات کی تھی۔ وہ خطرہ سے بے پروا میری مدد کوآیا تھا۔ میں نے یعقوب کا شکریہ اداکیا۔ اورکہا کہ موجودہ حالت میں کوئی طاقت مجھے یہاں سے باہر نہیں نکال سکتی۔

بلاشبہ یہ بات بچگانہ سی تھی۔ پُرانی بلقیس اپنی جھلک ، دکھارہی تھی۔ یہ جواب اُس کی توقع کے موجب تھا۔

کہنے لگا اگر کہیں میری مدد درکار ہو تو ضرور اطلاع دینا۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ یقیناً اطلاع دوں گی۔

ریشم جو کہ گم گو تھی مجھے کہنے لگی، بیگم جی

گزشتہ رات میں نے خوفناک خواب دیکھا۔ میں غور سے سننے لگی۔ ریشم نے مجھے بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ شریر لوگ گھر میں گھس کر آپ کو قیدی بنا رہے ہیں۔ روتے ہوئے وہ کہنے لگی کہ میں ان سے خفا ہوئی۔ میں نے آپ کو پکار کر کہا کہ بیگم صاحبہ بھاگیں۔ میں نے آپ کو خواب میں گھر سے بھاگتے اور بچتے دیکھا۔ اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ میں نے ہی اُسے تسلی دی۔ کیونکہ میرے لئے یہ مشکل نہ تھا جو الفاظ اُس نے کہے اُن میں، میں بذاتِ خود اُس نصیحت پر غور کر رہی تھی جو مجھے ملی تھی۔ میں نے پیار سے اس سے کہا کہ جان بچانے کے بارے میں ان دنوں خداوند سے بہت کچھ سنتی رہی ہوں۔ پہلے پہل تو میں نے یقین کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر اب میں نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا ہے۔

میں نے اُس کے زرد چہرے کو اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھاتے اور مسکراتے ہوئے کہا کہ یہ ممکن ہے کہ مجھے جانا پڑے۔ مگر اگر میں جاؤں گی تو یہ خداوند کے وقت میں ہوگا۔

میں تسلیم کا سبق سیکھ رہی ہوں۔ کیا آپ کو مجھ پر یقین ہے؟ ملازمہ خاموش رہنے کے بعد بولی" بیگم صاحبہ زندگی بسر کرنے کا یہ کس قدر شاندار طریقہ ہے"۔ یقیناً یہ ہے اور فقط یہی راستہ ہے۔ اب میرے قابو میں کچھ نہیں ہے"۔ اور اگر چہ جو کچھ میں نے کہا اُس پر میرا یقین تھا تو بھی ملازمہ کے جانے کے ساتھ میں جذبات سے مغلوب تھی۔

۱۹۷۱ء کے موسمِ خزاں میں اور سلسلہ وار پیغام ملے اور تجربات ہوئے۔ ایک دن نورجہاں میرے پاس آئی۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اور وہ جذبات سے مغلوب تھی؟ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے وہ میرے بال سنوار رہی تھی۔ میں نے پوچھا نورجہاں کیا بات ہے؟

سسکیاں لیتے ہوئے نورجہاں کہنے لگی بیگم صاحبہ میں نہیں چاہتی کہ آپ کو دکھ پہنچے۔ کس سے دکھ؟

آنسو خشک کرتے ہوئے وہ بیان کرنے لگی کہ میرا اپنا بھائی کل مسجد میں تھا۔ اُس نے چند آدمیوں کو یہ کہتے سنا کہ وقت آگیا ہے کہ آپ کے خلاف اقدام کیا جائے۔

کیا آپ کو پتہ ہے کہ اس سے ان کی کیا مراد تھی؟

نورجہاں کہنے لگی بیگم صاحبہ نہیں! مگر مجھے ڈر ہے کہ یہ آپ کے لئے اورمحمود کے لئے خوفناک ثابت ہوسکتا ہے۔ نوسالہ بچے کو وہ کوئی ضرر نہیں پہنچائیں گے۔

نورجہاں نے سنجیدگی سے کہا بیگم صاحبہ یہ وہ ملک نہیں ہے، جو پانچ سال پہلے تھا۔ اچھا ہے کہ اب محتاط رہا جائے۔

چند ہی ہفتوں بعد یہ وقوع پزیر ہوگیا۔ یہ بہت خوبصورت دن تھا۔ خزاں کا موسم تھا۔ مون سون کا موسم جاچکا تھا، اورموسم خشک تھا۔ کئی روزتک کچھ نہ ہوا۔ بعد میں ،میں یہ کہنے لگی کہ بہرصورت ہم جدید دورمیں رہ رہے ہیں۔ یہ ۱۹۷۱ء تھا نہ کہ ۱۵۷۱ء جب کہ مذہب کے جوش میں جنگیں لڑی جاتی تھیں۔ مذہبی جنگیں ماضی کا قصہ ہیں۔

میں دعا کے لئے اُوپر اپنے کمرے میں گئی۔ مگراچانک کس وجہ کے بغیر مجھے زبردست تحریک ہوئی کہ میں محمود کو لے کر باہر گھاس کے لان میں جاؤں۔

یہ کس قدر احمقانہ فعل ہوگا۔ مگرتحریک اس قدر قوی تھی کہ میں ہال کی طرف دوڑی۔ محمود کو جوسویا ہوا تھا جگایا اوراُس کو جلدی چلنے کو کہتی ہوئی لان کی طرف چل دی۔

ابھی تک اس احمقانہ فعل سمجھے ہوئے میں سیڑھیوں سے نیچے اتری اورسامنے کا دروازہ کھلا ہی چھوڑتے ہوئے باہر آگئی۔

میری عمارت سے باہر قدم رکھتے ہی مجھے جلنے کی بو آئی۔ میں نے ایک اصول بنایا تھاکہ میری زمین میں کوئی آگ نہیں جلائے گا۔ میں مالی کی تلاش میں گھر کی دوسری طرف جاتے ہی لرزگئی۔ مکان کی دیوار کے ساتھ کھڑکی کے پاس ایک ڈھیر کوآگ لگادی گئی تھی۔ اورشعلے بھڑک رہے تھے۔ میں چلائی ملازم دوڑتے ہوئے آئے۔ جلد ہی اُن میں سے کچھ ندی سے پانی کی بالٹیاں لاکر آگ پرڈالنے لگے دوسرے پانی کی نالی

سے باغ میں پانی چھڑکاؤ کرنے لگے۔ مگر پانی کا دباؤ ہمارے ہاں کم تھا۔ یوں لگتا تھا کہ تم گھر شعلوں کی لپیٹ میں آجائے گا۔ کیونکہ شعلے بہت بلند تھے اورپانی وہاں تک نہیں پہنچ رہا تھا۔دس ملازم جواُس وقت موجود تھے۔ ایک قطارمیں کھڑے ہوگئے۔ اورندی سے پانی لے کر شعلوں پر ڈالنے لگے۔ نصف گھنٹے کی جدوجہد کے بعد شعلے قابو میں آگئے۔ اگرآگ نہ بجھتی تولگے چند منٹوں میں گھر شعلوں کی نذرہوگیا ہوتا۔

میں نے نورجہاں پر نگاہ کی اوراُس نے بڑے خوف کی حالت میں اپنا سرہلایا۔ میں جانتی تھی کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ دھمکی پرعملدرآمد ہوا تھا۔ میں نے جلی ہوئی دیواروں اورسیاہ شہتیروں پرنگاہ کی اوریہ سوچنے سے گریز کیاکہ آگ نہ بجھنے کی صورت میں کیاہوتا۔ میں اس خیال سے گھبرائی کہ اگرمجھے باہر نکل آنے کی تحریک نہ ہوتی توکیاہوجاتا۔

ایک گھنٹہ کے بعد پولیس تفتیش کرنے آئی۔ مجھ سے، ملازمین سے سوالات کرنے کے بعد چلی گئی۔ میں اپنے کمرے میں تھی۔ میں نے بائبل اٹھائی کہ دیکھوں کہ خداوند کیا کہنا چاہتا ہے۔ ایک فقرہ پرمیری نگاہ گویا جم کررہ گئی۔

جلدی کر اوروہاں چلا جا کیونکہ میں کچھ نہیں کرسکتا جب تک تووہاں پہنچ نہ جائے (پیدائش ۱۹: ۲۲)۔

کتاب نیچے رکھتے ہوئے میں نے اوپر دیکھا اوردعا کی کہ اے خداوند مجھے بتا کہ چھوڑکر جانے کی راہ کون سی ہے اور کیا یہ مشکل ہوگا یا آسان۔ اوراس بار میں نے اشک آلود آنکھوں سے دعا کی اے خداوند لڑکے کا کیاہوگا؟ کیاوہ بھی میرے ساتھ جائے؟ میں سب کچھ کھوچکی ہوں ۔ کیا یہ بچہ بھی اس میں شامل ہے۔

چھ ماہ بعدایک روز مارچ ۱۹۷۲ء میں خداوند نے پھرایک اورخواب کے ذریعے سے مجھ سے کلام کیا۔ ریشم میری طرف آئی۔ اُس کی آنکھوں میں پریشانی تھی۔

ریشم کہنے لگی بیگم صاحبہ کیا کیش بکس محفوظ ہے؟ اُس کا اشارہ اس چھوٹے بکس کی طرف تھا جس میں گھر کی ضروریات کے لئے رقم رکھتی تھی۔ یقیناً بکس محفوظ ہے۔ پرمعاملہ کیا ہے؟

ریشم نے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا مجھے گزری رات ایک خواب آیا جس میں آپ موٹر پرایک لمبے سفر

پرجارہی ہیں۔ کیش بکس آپکے ساتھ ہے۔ ہاں یہ کوئی غیرمعمولی بات نہ تھی۔ کیونکہ میں اکثرکیش بکس اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ ریشم نے مزید کہا کہ خواب بڑی حقیقی تھی۔ اورافسوسناک حصہ یہ تھا کہ جب آپ سفرکررہی تھیں تولوگوں نےآپ کوروکا اورآپ کا بکس چُرالیا گیا۔

وہ لرزگئی ایک بارپھر مجھے اُس کو یوں تسلی دینی پڑی کہ پیسے کاکھونا مجھے خدا پر زیادہ اعتماد کرنا سکھائے گا۔ جب وہ اپنے کام کی طرف لوٹ گئی تومیں نے خواب کے بارے میں غورکیا۔ کیا یہ پیشنگوئی ہوسکتی ہے؟ کیا مجھے اس بات کی خبردی گئی تھی کہ میرا مال لٹ جائے گا۔ کیا جلدہی بذات خود میں کسی مالی سہارے کے بغیراپنی نامعلوم منزل کی طرف چل دوں گی؟

یہ پریشان کن دن تھے، کیونکہ محض دوماہ بعد جولائی ۱۹۷۲ء کے گرم دن میں ایک ملازم نے مجھے خالد کے آنے کی اطلاع دی۔

میرا بیٹا خالد ابھی تک لاہورمیں رہی رہتا تھا۔ اس قدر گرمی میں آخر وہ کیوں آیا؟ ایسی اہم بات کیا تھی جوٹیلفیون پرطے نہیں ہوسکتی تھی؟

خالد ڈرائنگ روم میں میرا انتظارکررہا تھا۔ کمرہ کے اندر داخل ہوتے ہی میں کہنے لگی میرے لال میں آپ کی صورت دیکھ کر مسرورہوں۔

مگرتم نے فون کیوں نہ کیا؟

خالد نے آگے بڑھ کر مجھے چوما۔ اُس نے ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کردیا۔ اوراپنے آنے کا مقصد بیان کرنا شروع کردیا۔" امی جان میں نےہولناک افواہیں سنی ہیں"۔ وہ رُک گیا۔ میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔ خالد نے اپنی آوازقدرے کم کرکے بیان جاری رکھا۔ امی حکومت بہت سی پرائیوٹ جائدادوں کو قبضہ میں لے رہی ہے۔ میرا ذھن میر ے حکومت کی طرف سے اس عزیز کی طرف چلا گیا۔ جس نے ایک برس پیشتر مارچ ۱۹۷۲ء میں یہی بات کی تھی۔ کیا اب اس پیشنگوئی کے پورے ہونے کا وقت تھا؟ خالد نے بتایاکہ

اشتمالِ اراضی کے زیر اثر کافی امکان ہے کہ ہماری جائداد پہلی جائدادوں میں ہو جو حکومت لے گی۔

میں نے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ میں کیا کروں؟ کیا وہ ساری کی ساری جائیداد پر قبضہ کرلیں گے یا جائیداد کا کچھ حصہ لیں گے؟ خالد اپنی کرسی سے اٹھا، اور خیالات میں مستغرق باغ کے دریچہ کی جانب گیا۔ میری طرف مڑتے ہوئے کہنے لگا" امی جان" کسی کو اِس کا علم نہیں ہے ۔ شائد آپ کی جائیداد کا کچھ حصہ تھوڑا تھوڑا کرکے بیچنا عقلمندی ہو۔ اس سے خریدار گورنمنٹ کے قبضہ سے محفوظ رہے گا۔

جُوں جُوں میں نے ان پر غور کیا، مجھے خالد کی تجویز درست لگی۔ اِس سلسلہ میں بات چیت کے لئے ہم سب ٹونی کے پاس گئے۔ ہم سب متفق تھے کہ یہ درست اقدام ہے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ خالد لاہور روانہ ہوگا۔ اور ہم کاغذی کارروائی مکمل کرنے کے لئے اِس سے جاملیں گے۔

۱۹۷۲ء کی ایک گرم صبح ٹونی محمود اور میں لاہور میں جائیداد کے معاملے کو طے کرنے کے لئے تیار تھے۔ جونہی میں نے گھر سے قدم نکالا اپنے باغ کی خوبصورتی کو دیکھ کر مجھے افسوس ہوا۔ گرمیوں کے پھول اپنا جوبن کھا رہے تھے۔ چشمے معمول سے بھی زیادہ بلندیوں کو چھو رہے تھے۔

سامنے والے دروازے پر جمع ملازمین سے میں نے کہا کہ چند ہفتوں میں ہم واپس آجائیں گے۔ ہر ایک نے اس خیال کو تسلیم کیا۔ صرف نورجہاں اور ریشم خوش نہیں تھیں۔ اچانک نورجہاں آنسوؤں سے رونے لگی اور وہاں سے چلی گئی۔ میں خوابگاہ میں کچھ لینے واپس گئی۔ جب سیڑھیوں سے نیچے جانے کے لئے میں ہال کی طرف مڑی تو ریشم میرے سامنے کھڑی تھی۔ اُس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔

بڑی دھیمی آواز میں کہنے لگی ۔بیگم صاحبہ !خدا آپ کے ساتھ رہے۔ میں نے کہا آپ کے ساتھ بھی رہے۔

رشیم اور میں دونوں ہال میں خاموش کھڑی تھیں۔ ہم کچھ نہیں کہہ رہی تھیں۔ مگر ہر بات سمجھ رہی تھیں ۔ کسی نہ کسی طرح سے مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں اُس کی صورت پھر نہ دیکھوں گی۔ میں اُس کے بہت قریب آچکی تھی۔

میں نے اُس کا ہاتھ دباتے ہوئے خاموش لہجہ میں کہا آپ کی طرح کوئی میرے بال سنوار نہیں سکے گا۔

ریشم نے اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھے میرے پاس سے چلی گئی میں نے اپنی خوابگاہ کا دروازہ بند کرنے ہی والی تھی۔ کسی نے قوت سے مجھے روک گیا۔ میں واپس کمرے میں گئی اوروہاں کھڑی رہی۔ سفید دیواروں پر موت کا سا سکوت طاری تھا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں میں نے اپنے خداوند کوجاناتھا۔ میں نے اپنے کمرے اورباغ کی طرف سے منہ پھیر لیا اورکارکی طرف چل دی۔ اس باغ میں کتنی بار میں نے خداوند کی حضوری کومحسوس کیا تھا۔لاہور میں کچھ لوگ تھے جنہیں دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہوجائے گا۔ بلاشبہ خالد اُس کی بیوی اوراُن کی جواں سال بچی کو مل کر میرا دل کھل جائے گا۔ مسٹر اولڈ سے ملاقات کا بھی امکان تھا۔ میں نے لکھا تھاکہ میں لاہورآرہی ہوں۔اس کا نیاکام قصبہ سے کچھ فاصلے پرایک گاؤں میں تھا۔ مگرمجھے اُمید تھی کہ اُن پُرانے عزیزوں سے ملاقات ہوگی۔ لاہور معمول کے مطابق جولائی کے مہینے میں بارشوں کا مرکزبنا ہوا تھا۔ سڑکیں پانی سے بھری ہوئی تھیں۔

اپنی مجبوریوں کے سبب سے ٹونی بہت کم ہمارے ساتھ ٹھہرسکی کاغذی کارروائی مکمل کرنے کے بعدہم نے ٹونی کو ریل گاڑی پر راولپنڈی جانے کے لئے الوداع کہدیا۔ پلیٹ فارم پرعجیب ولخراش منظر تھا۔ پروگرام کے مطابق چند دنوں میں محمود پھر اپنی امی سے جاملے گا۔ توبھی اس جدائی کا ایک غیر معمولی سا احساس تھا۔ محمود اب دس برس کا تھا۔ اپنی ماں سے الوداعی بوسہ لیتے وقت اُس نے بمشکل اپنے اشکوں کوروکا۔ لڑکے کوبازوؤں میں لیتے ہوئے ٹونی اُونچی آواز میں روئی۔ ٹونی کوگلے ملتے ہوئے میں بھی رورہی تھی۔

اچانک ٹونی بولی اب بس بھی کیجئے۔ہم کوئی ماتم تھوڑا کررہے ہیں۔ میں مسکرائی پھراُسے چوما۔ اورمحمود اُسے گاڑی پرروانہ ہوتے دیکھ رہے تھے۔ گاڑی اسٹیشن سے روانہ ہوئی اورہم ہاتھ ہلاتے رہ گئے۔

جوہماری جائیداد بیچ رہے تھے اُنہوں نے کہا کہ جائیداد کے فروخت کرنے میں چند ہفتے لگیں گے۔ خالد نے

ہمیں یقین دلایاکہ جتنی دیر ہم چاہیں ہم اُس کے ہاں ٹھہرسکتے ہیں۔

ایک بات جومیری بے چینی کا سبب تھی وہ یہ کہ میں یہاں روحانی رفاقت سے محروم رہوں گی۔ مسیحیوں کوروحانی طورپر زندہ رہنے اورتحریک دینے کےلئے ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔

میں نے مسٹراولڈ کوفون کیا۔ مسزاولڈ کی آوازسن کر بڑی خوشی ہوئی۔ ہم نے فون پر دعا کی۔ خوشی اورغم کے ملے جلے جذبات تھے۔ مصروفیات اُن کے لاہورآنے میں حائل تھیں۔ توبھی وہ قصبہ میں کسی مسیحی سے وافقیت کرواسکتے تھے۔ مسٹراولڈ نے خاص طورپر ایک پروفیسر کی بیوی پیگی کا ذکر کیا۔ عجیب طورپر یہ نام سن کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

چند منٹوں میں فون پر پیگی سے بات کررہی تھی۔ لگے چند گھنٹوں میں وہ خالد کے ڈرائنگ روم میں تھی۔ مجھے دیکھ کرمسکراہٹ سے اُس کا چہرہ کھل اٹھا۔

کہنے لگی" بیگم شیخ" مجھے بتاؤ کہ کیا یہ سچ ہے کہ آپ کی پہلی ملاقات یسوع سے خواب میں ہوئی تھی؟ آپ نے خداوند کو کیسے جانا؟پس ڈرائنگ روم میں،میں نے پیگی کوسارا قصہ سنایا۔ چھ برس ہوئے اس داستان کا آغاز ہوا تھا۔ پیگی نے بڑے انہماک سے میری کہانی سنی۔ جب میں نے کہانی ختم کی تواُس نے میرا ہاتھ تھام کر بہت ہی حیران کن بات کہی۔

میری خواہش ہے کہ آپ میرے ساتھ امریکہ چلیں۔ میں نے حیرانگی سے اُس پر نگاہ کی۔ میرا دل دھڑک رہا تھا پیگی کہنے لگی کہ سنجیدگی سے یہ کہہ رہی ہوں۔ میں جلد اپنے بیٹے کواسکو ل میں داخل کروانے کے لئے جارہی ہوں۔ میں چار ماہ تک امریکہ میں رہوں گی۔ آپ میرے ساتھ سفرکرتی ہوئی ہمارے کلیسیامیں گواہی دے سکتی ہیں۔

وہ اس قدرخوش تھی کہ میں اس کادل نہیں توڑنا چاہتی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ میں آپ کی دعوت کی قدرکرتی ہوں مگر مجھے اس کے بارے میں دعا کرنے کا موقع دیں۔

اگلی صبح ملازمہ میرے لئے ایک پیغام لائی۔ میں نے اُسے پڑھا اورہنسی یہ پیگی کی طرف سے تھا۔ کیا ابھی تک آپ نے دعا کی ہے یا نہیں؟

میں مسکرائی کاغذ کوپھینک دیا۔ کیونکہ اس پر مزید غورکرنے کا ابھی وقت نہیں تھا۔

گذشتہ دوبرس کے حالات فلم کی طرح میرے ذہن کی سطح پر ابھرنے لگے۔ خواب ، دھمکیاں اورآگ کا حادثہ اورپھر میں نے مصمم ارادہ کیاکہ خداوند کی مرضی ہوگی میں وہی کروں گی۔ اگرچہ اس میں مجھے اپنا وطن بھی کیوں نہ ترک کرناپڑے۔

میں نے پیگی کے سوال کوابھی تک خداوند کے سامنے نہیں رکھا تھا۔ مگراب میں اُسے خداوند کے سامنے رکھوں گی۔ میں نے اِس دورہ کوخدا کے ہاتھ میں دیا۔ میرے لئے سمجھنا مشکل تھا۔ کیونکہ مجھے یہ سوچ آرہی تھی۔ اگرچہ چارماہ کا دورہ نہ ہوا تویہ آخری دورہ ہوجائے گا۔

اے خداوند میں ایک بارپھر کہوں گی کہ توجانتا ہے کہ میں کس قدراپنے وطن میں رہنے کی مشتاق ہوں۔ بہرحال میں اب باون برس کی ہوں۔ اوریہ ازسرنوزندگی کےآغاز کا وقت نہیں ہے۔

مگرمیں نے آہ بھرتے ہوئے کہاکہ یہ سب سے اہم بات نہیں ہے۔ سب سے اہم بات ہے اے خداوند تیری حضوری میں رہنا ہے۔ اے خداوند کرم فرما کہ میری مدد کر میں ایسا فیصلہ کبھی نہ کروں جومجھے تیری حضوری سے محروم کردے۔

چھودھواں باب

نئی منزل

یہ عجیب بات تھی کہ جونہی خداوند نے پاکستان چھوڑنے کے لئے میرا ذہن تبدیل کیاراستے میں رکاوٹیں آنی شروع ہوگئیں۔

مثال کے طورپر ایک رکاوٹ جوناقابلِ حل لگتی تھی کہ پاکستان کا شہری اپنا ملک چھوڑتے وقت پانچ سوڈالر سے زیادہ رقم اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا۔ میرے ہمراہ محمود دوسوپچاس ڈالر لے جاسکتا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ میں اورمحمود چارماہ تک ساڑھے سات سو ڈالر میں کیونکر گزارہ کرسکیں گے۔ اس سبب سے پیگی کی تجویز پر مزید غورکرنے سے میں رُکی رہی۔

پھرچند روزبعد پیگی نے ایک روز مجھے اپنے گھرآنے کی دعوت دی۔ باتوں ہی باتوں میں ڈاکٹر کرسٹی ولسن کا ذکر چھڑگیا۔ وہ اُسے بھی جانتی تھی۔ جب سے میں نے یہ سنا تھاکہ افغان حکومت نے اُس چرچ کومسمارکردیا ہے جواُس نے بیرونی لوگوں کیلئے تعمیرکروایا تھا تومیں اس کے بارے میں سوچا کرتی تھی۔ میں نے پوچھا کہ کیاآپ کو پتہ ہے کہ وہ اب کہاں ہے؟ پیگی کہنے لگی ٹھیک طرح سے مجھے معلوم بھی نہیں۔

اس لمحہ فون کی گھنٹی بجی۔ پیگی فون سننے گئی وہ واپس آئی تواس کی آنکھیں حیرت زدہ تھیں"۔ کیاآپ کو معلوم ہے کہ یہ کون تھا؟ یہ ڈاکٹرکرسٹی ولسن تھے"۔

ان حیران کن واقعہ پر ہنسی پر قابو پاتے ہوئے ہم نے اپنے آپ سے سوال کرنا شروع کیا یہ محض اتفاق ہی تھا! پیگی کہنے لگی کہ ڈاکٹرولسن لاہور سے گذررہے ہیں وہ ملاقات کے لئے آنا چاہتے ہیں۔ میں خوش تھی ۔کیونکہ حالات سے بخوبی واقف ہوجاؤں گی۔ مگرنہ جانے مجھے یہ احساس کیوں ہورہا تھا کہ یہ ایک عام ملاقات سے قدرے بڑھ کر ہوگی۔

اگلے روزملاقات سے بہت خوش ہوئی۔ میں نے واہ کے واقعات اوراپنی زندگی کے بارے میں ڈاکٹرکرسٹی کوسارا قصہ کہہ سنایا۔ پھرپیگی نے بتایاکہ وہ کیونکر مجھے امریکہ جانے کی دعوت دے رہی ہیں۔اس خیال میں اُس نے کافی دلچسپی دکھانی شروع کردی۔ پیگی کہنے لگی کہ اگرچہ کئی مشکلات ہیں۔

اوران میں سے پہلے یہ ہے کہ بلقیس ملک سے صرف پانچ سوڈالر اپنے ساتھ لے جاسکتی ہے ڈاکٹر کرسٹی کہنے لگا کہ میں اپنے ایک دوست کوجوکیلی فورنیا میں ہے تاربھیج سکتاہوں ۔ شائد وہ کچھ کرسکے۔

چند روز بعدپیگی نے فون کیا وہ بہت خوش تھی۔ چلاتے ہوئے کہنے لگی بلقیس ! تمام بندوبست ہوگیا ہے ۔ ڈاکٹر بوب پیرظ آپ کی اسپانسرشپ بھیجنے کو تیارہیں۔ کیا آپ سات روز کے اندراندرجانے کے لئے تیارہوسکتی ہیں؟

سات روز کے اندر، اچانک اپنے وطن کوچھوڑنے کا بہت بڑا خطرہ میرے سامنے آگیا۔ کیونکہ میں ابھی تک سستی کررہی تھی کہ اگرمیں نے اپنا ملک چھوڑا تویہ ہمیشہ کے لئے ہوگا۔

مجھے ایک شاعر کے یہ الفاظ یادآگئے"۔ خدا نے سب آدمیوں کوساری دھرتی پیار کرنے کے لئے دی۔ مگرچونکہ ہمارے دلوں کی وسعت تنگ ہے اس لئے ہم ایک خطہ میں بھی ٹھیک طرح رہنے کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ اوروہی خطہ سب سے پیارا ہوسکتا ہے"۔(روڈیارڈکپلنگ)۔

میرے ذہن میں واہ، میرا باغ، میرا گھراورخاندان گھومنے لگا کیا میں اِنہیں چھوڑسکوں گی؟

اگرمیں حقیقت میں قائل ہوجاؤں کہ یہ خدا کی مرضی ہے تومجھے یہ سب کرنے میں مضائقہ نہیں، کیونکہ میں جانتی تھی کہ دیدہ دانستہ نافرمانی کا نتیجہ کیاہوگا۔ خدا کی حضوری جدا ہوجائے گی۔

لگے چوبیس گھنٹوں میں ایک اور تصدیق آگئی۔ خالد نے شام کے کھانے پربتایا کہ فقط ایک چھوٹی سی بات باقی ہے۔ اوراس کے بعد جائیداد کا سارا معاملہ طے ہوجائے گا۔ خالد کہنے لگا ممی! میرا خیال ہے جس جائیداد کوآپ بیچنا چاہتی تھیں اُس سے آپ کی خلاصی ہوگئی ہے۔ پھراچانک دروازہ گویا بند ہوگیا۔

یوں لگتا تھا کہ خدا کی طرف سے نہیں بلکہ میرے ملک کی طرف سے کیونکہ ابھی ایک قانون درمیان میں تھا۔ اوروہ یہ تھا کہ کوئی پاکستانی اُس وقت تک اپناملک نہیں چھوڑسکتا۔ جب تک اُس کا سارا ٹیکس ادا نہ ہو۔میرا انکم ٹیکس توادا کردیا گیا تھا مگر مجھے اُس کی مفصل نقل درکار تھی۔ مجھے انکم ٹیکس

کی ادائیگی کا سرٹیفیکٹ حاصل کرنا تھا۔ اُس کے بعد ہی میں امریکہ کے لئے ٹکٹ خرید سکتی تھی۔

میری روانگی کے ساتھ روز میں سے چار روز گزر چکے تھے صرف تین روز باقی تھے۔ جب میں اور میرا بیٹا خالد ٹیکس کی ادائیگی کا سرٹیفیکٹ لینے کے لئے حکومت کے دفتر میں داخل ہوئے تو ہمارا خیال تھا کہ کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہوگا۔ کیونکہ میرے کاغذات مکمل تھے۔

دفتر لاہور کی ایک پُررونق سڑک پر واقع تھا۔ دفتر میں داخل ہونے سے سارا منظر اجنبی سا دکھائی دیا۔ معمول کے مطابق یہاں بہت شور شرابا ہوتا ہے۔ مثلاً کلرکوں کی ادھر اُدھر کی دوڑ دھوپ اور کاؤنٹر پر کھڑے لوگوں کی آفیسرز سے بحث معمول ہوتا تھا۔

صرف میں اور خالد ہی دفتر میں تھے۔ بالوں سے بے نیاز ایک کلرک جو کاونٹر کے آخری کونے پر بیٹھے ایک میگزین پڑھ رہا تھا آگے بڑھ کر میں نے اپنا مدعا بیان کیا۔

بے پرواہی سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا کہ مجھے افسوس ہے یہاں ہڑتال ہے۔ ہڑتال!

وہ کہنے لگا جی ہاں ہڑتال ہے۔ کوئی بھی ڈیوٹی پر نہیں ہے۔ اور آپ کے لئے کوئی بھی کچھ نہیں کرسکتا۔ میں کچھ دیر تک اُس آدمی کو تکتی رہی۔ پھر میں چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ میں نے اس قدر بلند آواز سے دعا کی جسے صرف خالد ہی سن سکتا تھا۔ کہ" اے خداوند کیا تو نے دروازہ بند کردیا ہے؟ مگر اب تک تو نے میری اس معاملے میں حوصلہ افزائی کیوں کی ہے؟

پھر مجھے ایک خیال آیا کہ کیا اُس نے واقعی دراوزہ بند کردیا تھا میں نے دعا کی کہ" اے باپ ٹھیک ہے اگر یہ تیری رضا ہے کہ میں اور محمود امریکہ جائیں تو ہماری صفائی کے کاغذات کا خود بندوبست کر"۔ میں نے ایک زبردست اعتماد محسوس کیا۔ اور کلرک سے مخاطب ہوئی۔ میں نے کہا لگتا ہے کہ آپ ڈیوٹی پر ہیں۔ آپ مجھے صفائی کے کاغذات کیوں نہیں دیتے ؟ اُس نے اپنے میگزین سے نگاہیں اٹھاتے ہوئے غصہ سے میری طرف دیکھا۔ وہ اس قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا جسے کسی کا کام نہ کرنے میں خوشی ہوتی تھی۔ غصہ سے بولا محترمہ میں نے آپ کو بتادیا ہے کہ ہڑتال ہے۔

میں نے کہا ٹھیک ہے" توپھر مجھے آفیسر سے ملنے کی اجازت دیں میں نے اپنی حکومت میں ایک بات سیکھی تھی کہ جب میں کسی کام کوکروانے کا مصمم ارادہ کرلیتی تومیں اعلیٰ افسروں تک پہنچی تھی۔

کلرک نے اپنے میگزین کورکھ دیا اورمجھے لے کر اپنے قریب ہی دفترمیں گیا۔ روکھے پن سے بولا کہ یہاں انتظارکرو۔ اورپھر خفگی میں نظروں سے غائب ہوگیا۔ میں نے اندر سے مدھم گفتگو کی آوازسنی۔ اورپھروہ آدمی باہرآیا اورمجھے اندر آنے کااشارہ کیا۔

میری اورخالدکی ملاقات ایک ادھیڑعمر خوبروآدمی سے ہوئی۔ میں نےاپنی ضروریات بیان کیں۔ وہ کرسی کی ٹیک لگا کرکچھ سوچتا رہا۔ اورپھربولا "محترمہ آپ نے اپنا نام کیا بتایا تھا؟"

"بلقیس شیخ" مجھے افسوس ہے کہ ہڑتال کے درمیان ہم بالکل کچھ نہیں کرسکتے۔مگراچانک اُس کی آنکھوں میں پہچان کی چمک جاگ اٹھی۔آپ وہی بلقیس شیخ ہیں جنہوں نے سادہ رہن سہن کامنصوبہ تیارکیا تھا۔

"جی ہاں !میں وہی ہوں"

جذباتی طورپراُس نے میزپرہاتھ مارااورکہا" ٹھیک"

ایک کرسی کھینچتے ہوئے اُس نے مجھے بیٹھنے کو کہا۔ میرا خیال ہے کہ وہ سب سے شاندار پروگرام تھا جوکبھی ہمارے ملک میں رائج ہوا۔ میں مسکرائی۔ پھروہ آفیسر پر اعتماد اندازمیں میزپرجُھکا اور کہنے لگا کہ بتائیں ہم آپ کیلئے کیاکرسکتے ہیں؟

اُس نے میرے مسئلہ کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اُسے بتایاکہ تین روز کے اندر مجھے کراچی سے امریکہ کے لئے جہازلینا ہے۔ اُس آدمی کے چہرے پردیکھنے سے لگتا تھا کہ وہ کچھ کرے گا۔ کھڑے ہوتے ہوئے اُس نے کاؤنٹر پربیٹھے ہوئے کلرک کوبلایا اوراُسے کہا کہ نئے اسسٹنٹ کوبلاؤ۔

بڑی دھیمی آوازمیں وہ کہنے لگا کہ میرے پاس ایک عارضی اسٹینوگرافر ہے وہ باقاعدہ اسٹاف کارکن نہیں ہے اورہڑتال پر نہیں ہے۔ وہ سرٹیفیکیٹ ٹائپ کردے گا۔ میں بذات خود اس پر مہر لگادوں گا۔ مجھے مدد کرنے میں خوشی ہے۔

چند منٹ بعدمکمل سرٹیفیکٹ میرے ہاتھ میں تھا۔ جاتے وقت میں نے سرٹیکفیٹ کوہلاتے ہوئے کلرک کوالوداع کہا۔ وہ بہت حیران ہوا۔ اورجب اُس نے میری مسکراہٹ کودیکھنے کے لئے میگزین سے اپنی نظریں ہٹائیں تومیں نےاُسے کہا" خداآپ کوبرکت دے۔

چند منٹ کے بعدہم گورنمنٹ کے آفس سے نکلے توخالد حیران تھا۔ اورکہنے لگاکہ سارے معاملے کوطے کرنے میں صرف بیس منٹ لگے۔ وہ کہنے لگا کہ اگرسارے لوگ ڈیوٹی پرہوتے تواس سے زیادہ وقت لگتا۔

میرا دل نغمہ سرا تھا۔ میں نے خالد کوسمجھانے کی کوشش کی کہ خداوند ہماری رفاقت پسند کرتا ہے۔ جب ہم دعا کرتے ہیں تووہ ہمارے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے۔ اس میں موسیٰ کے عصا کا اصول کارفرماتھا۔ اگرخودایمان کا قدم اٹھائے بغیرمیں معاملہ محض خداوند کے ہاتھ میں ہی دے دیتی تومجھے شائد سرٹیفیکٹ نہ ملتا۔ جوکچھ میں کرسکتی تھی اُسے کرتے ہوئے مجھے قدم اٹھانا تھا۔ مجھے کہنا تھا کہ میں انچارج کوملنا چاہتی ہوں۔ جس طرح خدا نے موسیٰ سے کہا کہ وہ چھڑی سے چٹان کومارے۔ اسی طرح وہ ہمیں بھی کہتا ہے کہ ہم معجزات کے وقوع میں خود بھی حصہ لیں۔

میرے جذبات سے خالد کچھ حیران ہوگیا تھا اورمسکراتے ہوئے کہنے لگا ممی! ایک بات میں ضرور کہوں گا۔ میں نے غورکیا ہے کہ شکریہ کی بجائے آپ ہمیشہ کہتی ہیں " خدا آپ کوبرکت دے"۔ اورجب آپ یہ کہتی ہیں توجوکچھ میں نے سنا ہے یہ اس سبب سے خوبصورت لگتا ہے۔

اب جبکہ کاغذات مکمل تھے تومجھے واہ میں عزیزوں کوالوداع کہنے کا خیال آیا۔ کیونکہ میں قائل ہوچکی تھی کہ یہ دورہ چارماہ سے کہیں زیادہ ہوگا۔ تاہم جب میں نے اُس کا ذکرکیا توخالد کہنے لگا " کیاآپ نے سیلاب کے بارے میں نہیں سنا؟"

زبردست بارشوں کے سبب سے لاہور اورواہ کے درمیان سڑک کا ایک حصہ کٹ گیا ہے۔ کئی مربع میل زمین سیلاب کے پانی میں ڈوبی پڑی تھی۔ آمدورفت کا سارا بندوبست درہم برہم ہے۔ میرا دل ڈوب گیا۔ مجھے الوداع

کہنے کی بھی مہلت نہ ملی۔ جس طرح لوط کو کہا گیا تھا کہ پیچھے مڑکر نہ دیکھے۔ خداوند مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں پیچھے سب کچھ بھول جاؤں۔

پروگرام کے مطابق مجھے جمعہ کی صبح کوکراچی کے لئے روانہ ہونا تھا۔ میں بذریعہ ہوائی جہازکراچی جاؤں گی جہاں سے امریکہ روانہ ہوں گی۔ پیگی اوراُس کا بیٹا نئی دہلی سے اپنے سفرکاآغازکریں گے۔ اُن کا نیویارک جانے والا جہازپین امریکن دہلی سے روانہ ہوکرکراچی رکنا تھا۔ مجھے اورمحمود کو اُن کے ساتھ سفرکرنا تھا۔

جمعرات کی صبح مجھے غیرمعمولی سی تحریک ہوئی کہ میں انتظارنہ کروں۔ میری فکرکا مرکز محمود تھا ۔کسی نہ کسی طرح واہ میں یہ خبرپہنچ گئی تھی کہ ہم محض لاہورکے دورپر ہی نہیں تھے بلکہ ملک سے باہر جانے کی تیاریاں میں تھے۔ کیا اس بات کا امکان نہیں تھا کہ رشتہ داراپنے نکتہ نظر سے میرے گھناؤنے اثر سے محمود کو بچانے کے لئے اُسے مجھ سے لے لیں۔ کیا مجھے کسی نہ کسی بہانہ سے روک لیا جائے گا؟ خطرے کا احساس بڑا قوی تھا۔ میں نے فیصلہ کیاکہ میں انتظارنہیں کروں گی۔ میں جمعرات کوہی چل دوں گی۔ میں کراچی میں جاکرعزیزوں کے ہمراہ رہوں گی۔

پس اُس بعد ازدوپہر میں اورمحمود جلدی جلدی اپنا سامان پیک کرکے اورخالد اوراُسکے خاندان کوالوداع کہہ کر ائرپورٹ کی طرف چل دئیے۔ اطمینان کے ساتھ ہم نے لاہور کوخیرباد کہا اوراپنی منزل کی طرف چل دئیے۔

کراچی رنگارنگ مناظرکا گہوارہ ہے۔ اس قدروسیع شہر میں کوئی ہمارا نشان نہیں پاسکتا تھا۔میں دوستوں کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اورلگے روز امریکہ کے لئے روانہ ہونے کے لئے شاپنگ کررہی تھی۔ اچانک میں ایک زبردست دباؤ کے نیچے تھی۔ ایک دیوارکا سہارا لیتے ہوئے میں نے خداوند سے حفاظت کے لئے دعا کی۔

مجھے تحریک ہوئی کہ میں اورمحمود اس رات ایک ہوٹل میں رہیں میں نے اس خیال کواپنے ذہن سے نکالنے کی کوشش کی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا احمقانہ خیال تھا۔ پھرمجھے مجوسیوں کا واقعہ یادآیاکہ کس طرح اُنہیں خواب

میں خبردارکیا گیا تھاکہ وہ دوسرے راستہ سے اپنے ملک روانہ ہوجائیں۔

لہذا جلدہی ہم کراچی کے ائرپورٹ پر ائرفرانس ہوٹل میں تھے۔ جتنی جلدی ہوسکا میں محمود کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اورکاؤنٹر پر کہہ دیاکہ ہمارا کھانا کمرے ہی میں بھیج دیا جائے۔ ہم محض انتظار کی گھڑیاں گنتے رہے۔ محمودکچھ بے قراردکھائی دیتا تھا۔ پوچھنے لگا کہ امی آپ کواس قدرچھپنے کی کیا ضرورت ہے؟

اُس رات روانگی سے پہلے میں بستر میں پڑی غورکرتی رہی کہ آخر میں اس قدرمحتاط کیوں ہوں؟ اس کا کوئی خاص سبب نہ تھا کیا میں اپنے جذبات کواپنے اُوپر قابو پانے کی اجازت دے رہی تھی؟ کیا ماضی کی دھمکیوں کے سبب سے میں بلاوجہ خوفزدہ تھی؟

مثلاً آگ کا واقعہ ؟ میں خیالوں میں گم محض چند گھنٹے سوئی تھی۔ صبح دوبجے میں جاگ اٹھی اورتیارہوگئی۔ پھروہی جلدی کا خیال طاری تھا۔ یہ مجھے مضحکہ خیز سالگا۔یہ میری طبعیت کے خلاف تھا۔ میرے پاس اسے بیان کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ میرے ہوٹل چھوڑنے کا وقت آپہنچا تھا۔ اورخداوند مجھے جلدی کونے کو کہہ رہا تھا۔ میں نے محمود کوکپڑے پہنائے سامان دروازہ میں رکھا اورقلی کے آنے کا انتظارکرنے لگی۔

صبح کے تین بجے تھے۔ روانگی پانچ بجے تھی۔ محمود میرے ساتھ کھڑا ٹیکسی کا انتظارکررہا تھا۔ جس پر ہم ٹرمینل کی جانب جانے والے تھے۔ اُس کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ میں نے چاند کی طرف نگاہ کی اورمجھے گمان ہوا کہ یہ آخری وقت ہے۔ جب میں اپنے ہی وطن میں چاند کا نظارہ کروں گی؟

نسیم سحر قریبی باغ میں لگے ہوئے پھولوں سے معطر تھی۔ مجھے محسوس ہواکہ میں اپنا باغ پھرکبھی نہ دیکھ سکوں گی۔

بلاآخر ٹیکسی آگئی اورمیں اورمحمود اُس میں سوار ہوگئے۔ ٹریفک سے گذرتے وقت میں دعا کرتی رہی اُس وقت بھی ائرپورٹ پرلوگوں کا جمِ غفیر تھا۔ جونہی کارٹریفک لائٹ کوپارکرتی ہوئی گذری میں بے قراری کے عالم میں سیٹ میں

دھنس گئی ۔ ہم قدرخاموش تھے۔ میں نے اپنے آپ کو یقین دلایا کہ مجھے اس وقت ڈرنے کی بجائے دعا کرنے کی ضرورت ہے۔

میں نے دعا کی کہ اے خداوند !یہ اعصابی بے قراری دورکردے۔ اے خداوند یہ اعصابی بے قراری تیری طرف سے نہیں۔ میں ایک ہی وقت میں تجھ پر بھروسہ اورفکر نہیں کرسکتی۔ اورتوبھی اگریہ جلدی کرنے کی تحریک تیری طرف سے ہے تویقیناً اس کے پیچھے کوئی سبب ہوگا۔ اورمجھے اس تحریک کوبجالانا چاہیے۔

ہم ٹرمینل میں داخل ہوئے۔ بڑے بڑے جیٹ طیاروں کے انجنوں کے چلنے کی آوازآرہی تھی۔ اورہرکوئی وقت کی نزاکت کے پیش نظر جلدی میں تھا۔ کافی شورشرابا تھا۔ جب میں نےاپنے ملک کے جھنڈے کوہوا میں لہراتے ہوئے دیکھا تومیں دل تھام کر رہ گئی۔ میں نے قرارکیاکہ میں ہمیشہ اپنے جھنڈے کی، اپنے لوگوں کی اوراُن کے عقیدے کے عزت کروں گی۔ قُلی ہمارا سامان کاؤنٹر پرلے آیا۔ ہرکام احسن طورپرانجام پایا۔

ہم دونوں کے پاس چالیس پونڈ وزن تھا۔ جب میں نے اپنے خاندان کے دوسرے دوروں پر غورکیا جوہم ملک میں کرتے تھے تومجھے ہنسی آگئی۔ کیونکہ محض چند روز کے قیام کی خاطر ہزاروں پونڈوزن لے جایا جاتا تھا اورپھر بھی کبھی کبھی اپنے چند کپڑے ساتھ نہ لے جانے کی شکایت کرتی تھی۔

جہاز کے آنے تک ہمیں ایک گھنٹہ انتظارکرنا تھا۔ میں نے بہتر سمجھاکہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ میں چھپ کر یہ وقت پاس کیا جائے اورہمیں کوئی دیکھ نہ سکے۔مگرمیں انجانے خطرے کواپنے ذہن سے نہ نکال سکی۔ پھرمیں نے بلاوجہ فکر مند ہونے پر اپنے آپ کو کوسا۔ میں نے اپنے آپ کو یاددلایا کہ خداوند حالات کا بھی خداوند ہے۔ وہ اس ماحول سے نکلنے میں میری رہنمائی فرمارہاہے۔ اورمجھے صرف فرمانبرداری کرنے کی ضرورت ہے۔

محمود نے ٹائیلٹ جانے کو کہا۔ میں باہر اُس کا انتظار کرتی رہی۔ یکایک لاؤڈ اسپیکر نے ہماری فلائیٹ کا اعلان کیا۔ پین امریکن کی نیویارک کے لئے فلائٹ سواریوں کی

منتظر ہے۔ میرا دل دہل گیا۔ محمود ابھی تک نہیں آیا تھا ہمیں جانا چاہیے۔

اچانک ٹائیلٹ کا دروازہ کھلا۔ محمود کی بجائے یہ کوئی اور تھا۔ میں دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ میں کیا کررہی تھی۔ یقیناً اسلامی ملک میں عورت کا آدمیوں کی ٹائیلٹ کے قریب جانا غیر واجب تھا۔ اگرچہ اُس میں نوبرس کے بچے کی تلاش ہی مقصود کیوں نہ ہو۔

ہماری فلائٹ کا دوبارہ اعلان ہورہا تھا۔ نیویارک کے لئے پین امریکن کی فلائٹ روانگی کے لئے تیارہے۔ سواریوں سے درخواست ہے کہ جہازکے قریب پہنچ جائیں۔

میرا دل بُری طرح بے قرار تھا۔ میں نے ٹائیلٹ کے دروازے کودھکیلتے ہوئے محمود کوآوازدی۔

ایک ننھی سی آواز سے جواب دیا" ممی ! میں آرہا ہوں"۔

میں نے ایک لمبا سانس لیا اوردیوار کی ٹیک لگا کرکھڑی ہوگئی۔ جلد ہی محمود باہر آگیا۔ میں نے چلاتے ہوئے کہا تو کہاں تھا؟ کس چیز نے تجھے روکھے رکھا۔

بہر صورت میں نے جواب کا انتظار نہ کیا اورمحمود کا ہاتھ تھامے ہوئے دوڑی۔ ہم طویل ہال سے جہاز پر چڑھنے والے گیٹ کی طرف دوڑتے ہوئے گئے۔ ہم جہازپرچڑھنے والی آخری سواریوں میں سے تھے۔

محمود حیرانگی سے بولا ممی! کتنا بڑا جہاز ہے؟

یہ ۷۴۷ کا جہازکافی بڑا تھا۔ ہم دونوں بہت خوش تھے۔ میں نےاتنا بڑا جہازپہلے نہیں دیکھا تھا۔ اُوپر چڑھنے سے پہلے میں ایک لمحہ کیلئے جھکی یہ میراآخری قدم تھا اپنی دھرتی پر۔

جہازکا اندرونی حصہ ایک بہت بڑا آؤڈیٹوریم کی طرح لگتا تھا۔ ایک ائرہوسٹس نے سیٹ کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ پیگی کہاں تھی؟ اُسکے بغیرمیں امریکہ میں کیاکروں گی؟

اورپھرہم نے اُسے دیکھ لیا۔ وہ ہماری طرف آرہی تھی۔ پیگی مجھے گلے ملی۔

چلاتے ہوئے کہنے لگی میری عزیزہ میں آپ کے بارے میں بہت فکرمند تھی۔ میں بورڈنگ گیٹ پر آپ کونہ دیکھ سکی تھی۔ میں نے بیان کہ کیا ہوا تھا۔ پیگی نے سکھ کا سانس لیا۔ اُس نے ہمارا تعارف اپنے بیٹے سے کرایا جواُس کے

ہمراہ تھا۔ کتنی بُری بات تھی کہ ہم اکٹھے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ وہ کہنے لگی کہ جوسیٹیں وہ ہمیں دیں ہمیں اُنہی پر بیٹھنا ہے۔

سچ تو یہ تھا کہ میں خود اورکسی گفتگو میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ میرے خیالات کا مرکز یہ تھا کہ میں اپنے وطن کو چھوڑکرجارہی ہوں یقیناً میں غمزدہ تھی۔ مگراس کے ساتھ ہی میں سمجھتی تھی کہ میں ٹھیک اقدام کررہی ہوں۔ میری سمجھ سے معاملہ باہر تھا۔

بہت جلد محمو داپنا رنگ دکھانے لگا۔ وہ ایک ائرہوسٹس سے گھل مل گیا۔

وہ بہت خوش تھا۔ میں نے کھڑکی میں سے دُورافق میں سورج کےطلوع ہونے کا منظر دیکھا۔ انجن کی آوازبڑھ گئی اورایک جذباتی سی لہر میرے جسم میں دوڑگئی۔ ہمارا جہاز رن وے پر تھا۔ میں نے پیچھے دیکھا۔ مگر پیگی کونہ دیکھ سکی۔ محمود میرے ساتھ والی سیٹ پر تھا۔ اُڑنے سے پہلے انجن کی گرج کی سی آواز سے اُس کا چہرہ چمک گیا۔ میں نے محمود کا ہاتھ پکڑکردعا کرنا شروع کردی۔

خداوند !اب کیا ہوگا؟ پھر مجھے اپنی آرزؤں کی تکمیل کا احساس ہوا۔ مجھے یہ پتہ نہیں تھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ میں مطمئن تھی۔ کیونکہ میرا خداوند میرے ساتھ تھا۔ اب مجھے اعصابی پریشانی نہیں ستاتی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ بہر حال میں نے خداوند کی فرمانبرداری کی ہے۔ اورمیں تسلیم کروں گی کہ میں نہیں جانتی کہ حقیقت میں کیا ہوتا؟ اگرمیں اُس کا ہرحکم بجانہ لاتی۔ اوراس طرح اقدام نہ کرتی جیسے میں نے کیا تھا۔

کھڑکیوں میں سے آتی ہوئی مدھم روشنی غائب ہوگئی۔ اوریکایک جہاز کے انجن کی آوازبلند ہوگئی۔ ہم ہوا کے بازوؤں پر تھے۔ میں اپنے نیچے بحرہند کودیکھ سکتی تھی۔ جوپاکستان سے ملتا تھا۔

میں نے خداوند کی دعا میں اپنے ہاتھ اٹھائے۔ فقط وہی میری پناہ تھا۔ اُس کی حضوری میں رہنا ہی بس میری خوشی تھی۔ میری خوشنودی اُس کی حضوری میں رہنے سے تھی۔ اُس کی حضوری میں جلال ہی جلال ہے۔ میں نے خدا کا شکرادا کیا۔

خداوند میں تیرا شکر کرتی ہوں کہ تو سفر میں میرے
ہمراہ ہے۔